رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز

اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین۔ اکمل

نمبر ۴ | اپریل سنہ ۱۹۲۵ء مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۳ھ | جلد ۲۴

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منشی عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر قادیان سے شائع کیا۔

انسانی زندگی کا مقصد

ناظرین کرام! اس رسالہ کا پہلا مضمون وہ ہے جسے مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۲۵ء کو مذاہب کانفرنس میں (جو آریہ سماج فیروزپور شہر کی زیر نگرانی منعقد ہوئی تھی) ہمارے قابل نوجوان مولوی جلال الدین صاحب شمس مولوی فاضل نے نہایت عمدگی اور نہایت قابلیت سے پڑھکر حاضرین کو سنایا۔ اس مذہبی کانفرنس میں عیسائی۔ دیوسماج۔ اہلحدیث اور آریہ سماج سناتن دھرم و ضمیر ازم کے نمائندے بھی شامل تھے۔ سکرٹری اہلحدیث نے اپنی قائمقامی میں مولوی بشیر احمد (جو دیوبندی خیالات کے دلدادہ تھے) کو سٹیج پر تقریر کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جنہوں نے محض تمہیدی کلمات میں سارا وقت ضائع کر دیا۔ دیوسماج اور آریہ سماج نے گو کوشش تو کی کہ اصل مضمون کو بیان کریں۔ مگر صرف انسانی صحت کا قائم رکھنا اور بھوگ کے انند کو اصلی مقصد قرار دیتے ہوئے اپنا لیکچر ختم کر دیا۔ باقی جتنے تھے سوائے اسکے کہ احمدیت تمسخر اپنے آپکو بنائیں۔ اور کچھ نہ تھا۔

ہمارے لیکچر کے وقت بفضلہ تعالیٰ حاضرین کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ جو نہایت متانت اور غور سے سارا مضمون سنتے رہے اللہ ان کو ہدایت بخشے۔

چونکہ مضمون بہت لمبا تھا اور وقت صرف نصف گھنٹہ تھا۔ اس لئے اس کا بعض حصہ بوجہ قلت وقت مجبوراً چھوڑنا پڑا۔ ۹/۲/۲۵ (احمد جان سکرٹری دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ فیروزپور)

آریہ سماج کے بارے میں مفصلہ ذیل ٹریکٹ دیوسماج نے شائع کئے ہیں۔ (۱) خوفناک گناہوں اور جرموں کی تعلیم۔ (۲) آریہ سماج کی اندرونی تصویر۔ ۱ر (۳) ویدک لغویات کے چند دلچسپ نمونے۔ ۱ر (۴) رشی بدھ کی اصلی حقیقت۔ ۱ر (۵) مسئلہ نیوگ کی حقیقت ۱ر یہ لٹریچر آریہ سماج کو اسکی اصلی رنگ میں دکھانے کیلئے نہایت مفید اور مستند حوالوں سے بھری ہے۔ ملنے کا پتہ۔ سپرنٹنڈنٹ دیوسماج دھرم سیوا بھاگ آفس لاہور۔

تفسیر سورۃ جمعہ یہ حضرت خلیفہ اول مولانا نورالدین رضی کی تفسیر ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت و دعاوی کی پیشگوئی اور ان کی صداقت دکھائی ہے طبع دوم۔ لکھائی چھپائی کاغذ نہایت اعلیٰ قیمت ۳ر ملنے کا پتہ: محمد یامین تاجر کتب قادیان

رسالہ کی نسبت احباب کرام رسالہ کی توسیع اشاعت کی طرف توجہ دیں۔ رسالہ اسقدر کم چھپتا ہے کہ اب اسکے اخراجات چلانے بھی مشکل ہو رہے ہیں۔ اور میں تو یہ تجویز سوچ رہا ہوں کہ اسکی قیمت سالانہ پانچ روپے کر کے مہینے میں دو بار کر دیا جائے۔ احباب کیا فرماتے ہیں؟

(۳) خط و کتابت میں "اردو ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان" ضرور لکھنا چاہیئے۔ اور اپنا پورا پتہ

مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی اس کتاب کی بہت کم جلدیں رہ گئی ہیں قیمت ڈبل کر دی گئی ۱۲ر اب چوتھی بار چھپے گی۔ اس میں جو جو کمی ہو احباب اطلاع دیں۔ تاکہ اس ایڈیشن میں خیال رکھا جائے۔ (اکمل)

مرہم عیسیٰ کی ڈبیہ ۱۲ر سے منگوالیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

انسانی زندگی کا مقصد

حضرات اس مضمون کی اہمیت کے متعلق مجھے بیان کرنیکی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہر عاقل و فرزانہ انسان کے دل میں اس بات کی تڑپ موجود ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد حقیقی معلوم کر کے اس سے بہرہ یاب ہو۔ اور اس ناپائدار دنیا سے نامراد اور بے مقصود نہ چلا جائے سو جاننا چاہیئے۔ کہ انسان اپنی زندگی کا مقصد آپ نہیں قرار دے سکتا۔ کیونکہ نہ یہ اپنی مرضی سے اس جہان میں آیا۔ اور نہ اپنی مرضی اور ارادہ سے جائیگا۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ جس نے اُسے پیدا کیا۔ اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اسکو عنایت کیئے۔ بتائے کہ اس نے اسکی زندگی کا مقصد اور مدعا کیا قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون (انبیاء ع) کہ اے انسانو! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی معزز کتاب اُتاری ہے جسمیں تمہارا ذکر ہے۔ یعنی جسمیں تمہاری عزت تمہاری شرافت اور تمہارے مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔ اور ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جنکے کرنے سے تمہاری دنیا میں یادگار قائم ہو جائیگی۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اسکو پڑھو۔ اور اسمیں تدبر کرو تا تم جانو۔ کہ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا۔

پھر اسمیں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ مختلف الطبائع انسانوں نے اپنی کم فہمی و نادانی سے مختلف طور کے مقاصد و مدعا اپنی زندگی کے ٹھیرائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ الہامی کتاب جب انسانی زندگی کا ایک مقصد قرار دے۔ تو وہ دوسروں کے مقاصد مخترعہ کو بھی مدلل طور پر باطل ثابت کرے۔ تا ہر ایک انسان اس کی بات کو ماننے کے لئے تیار ہو۔

سو ہم نہایت پختہ یقین اور وثوق سے کہتے ہیں۔ کہ صفحہ ارض پر قرآن مجید ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے۔ جسمیں اس مضمون پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

کیا انسانی زندگی کا کوئی مقصد ہے؟

چنانچہ پہلا سوال جو اس مضمون پر بحث کرنیکے وقت ہو سکتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ آیا انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہے۔ یا کہ یہ سارا عالم یونہی بے حقیقت پیدا کیا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب خدا تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں دیا ہے۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (مؤمنون ع ۶)

خلقنا السماء والارض وما بینهما لٰعبین لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذناه من لدنا ان کنا فاعلین بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق ولکم الویل مما تصفون (انبیاء ع ۲) فسبحان اللّٰہ حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظهرون (روم ع ۲) اے انسانو! کیا تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے۔ اور تمہاری پیدائش کا کوئی مقصد قرار نہیں دیا۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے نہیں بلکہ تمہارا مرجع اور مآل ہماری طرف ہے۔ پھر تم تو انسان ہو۔ ہم نے تو آسمان اور زمین اور ما فیہما کو بے حقیقت اور لغو نہیں بنایا۔ اور اگر ہمیں اسکو محض کھیل بنانا منظور ہوتا۔ تو ہم اسے اپنی طرف سے بطور کھیل کے بے حقیقت بناتے۔ مگر ہمیں ایسا کرنا منظور نہیں تھا۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔ کہ جب باطل حق کے مقابل پر آتا ہے۔ تو ہم حق کو پتھر کی طرح باطل کے سر پر کھینچ مارتے ہیں۔ تو وہ باطل کے سر کو کچل دیتا ہے۔ اور باطل اسی دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کے پیدا کرنیکی کوئی غرض نہ ہوتی۔ اور یہ تمام کارخانہ عالم بے حقیقت ہوتا۔ تو مقابلہ کے وقت کیوں حق ہی غالب آیا کرتا۔ پھر فرمایا اللہ ہی پاک ہے جبکہ تم شام و صبح میں ہوتے ہو۔ اور اُسی کیلئے حمد ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور تیسرے پہر۔ اور جبکہ تم دوپہر کرتے ہو۔ پس اگر تم صبح اور شام اور دوپہر اور سہ پہر میں جو کام کئے جاتے ہیں۔ ان پر غور کرو گے۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو بے حقیقت اور لغو نہیں پیدا کیا۔ بلکہ اسکی پیدائش کی ضرور کوئی نہ کوئی غرض رکھی ہے۔ کیونکہ دنیا میں مجنونوں کے سوا کوئی عقلمند انسان بے حقیقت اور لغو کام نہیں کرتا جس کا کوئی نتیجہ اور غرض نہ ہو۔ پس اگر انسان کو بے حقیقت اور لغو اور اسکی زندگی کا مدعا و مقصد قرار دینے کے بغیر پیدا کیا گیا ہے۔ تو یہ ایک لغو کام ہے جس سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اور اسکی صفت سبوحیت کے خلاف ہے۔ اور نیز وہ قابل حمد اور لائق تعریف نہیں ہو سکتا لہٰذا ماننا پڑا۔ کہ انسانی زندگی کا کوئی مقصد و مدعا ضرور ہے۔

وہ مقصد کیا ہے؟ اب سوال ہوتا ہے کہ وہ مدعا و مقصد کیا ہے جسکی خاطر انسان کو پیدا کیا گیا۔ اور سب مخلوقات سے اشرف اور برتر بنایا گیا۔ اور اسکے لئے انواع و اقسام کے پھل اور پھول اور ماکولات اور مشروبات اور سورج اور چاند اور ستارے اور سیارے گرم اور سرد ہوائیں اور ہزارہا افضال و نعم بنائیں۔ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے:۔ کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات ع ۳) کہ میں نے جنوں اور انسانوں اور چھوٹوں اور بڑوں کو اسلئے پیدا کیا ہے۔ کہ تا وہ میری شناخت کریں مجھے پہچانیں میرے عبد بنیں اور میری صفات کو جذب کر کے انہی کا رنگ اپنے اندر پیدا کریں۔ اور میرے لئے تذلل اور عجز و انکساری کریں۔ اور میرے ہر ایک حکم کے آگے گردن جھکائیں۔ اور میری رضا کو ہر بات میں مقدم رکھیں۔ اور اگر سب چیزوں کو میری رضا کیلئے قربان کرنا پڑے تو کریں مگر میری رضا کسی چیز پر قربان نہ کریں چنانچہ اصل عبودیت کا خضوع اور تذلل ہے۔ اور عبودیت کی حالت کاملہ وہ ہے جسمیں کسی قسم کا غلو اور بلندی اور عجب نہ رہے۔ عرب کا محاورہ ہے۔ وہ کہتے ہیں مور معبد و طریق معبد جہاں راستہ نہایت درست اور نرم اور سیدھا کیا جاتا ہے اس کو

طریق معبد کہتے ہیں۔

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصل مقصد انسان کی پیدائش ہی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے آپکو خدا تعالیٰ کا عبد بنائے اور اسکی روح ہر وقت آستانہ احدیت کے ارد گرد گھومتی رہے۔ جس طرح کہ غلام اپنے آقا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ اسی طرح انسان بھی اپنے حقیقی مولا کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ اور ہر ممنوع بات کے ارتکاب سے رک جائے۔ اور ہر بات میں اسکی رضا اور محبت ہی مدنظر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین۔ کہ اے انسان تو کہدے کہ میری نماز میری قربانیاں میری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کیلئے ہیں۔ جو صرف میرا ہی رب نہیں بلکہ تمام جہانوں کو جامہ ہستی پہنا کر انکی تربیت کرنیوالا ہے۔ اُسی نے ہماری ترقی اور کامیابی کے سامان مہیا کیے۔ دنیا میں کوئی اس سے بڑھکر شفیق اور مہربان نہیں۔ نہ باپ نہ بیٹا نہ بہن نہ بھائی نہ کوئی اور عزیز۔ نہ ہم خود کیونکہ ہماری جان ہمارے ہاتھ ہمارے پیر سب کچھ اُسی کا عطیہ ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ذٰلک الدین القیم فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ یعنی وہ دین جسمیں خدا تعالیٰ کی پرستش اور معرفت احسن طور پر ہے۔ وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا۔ یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے قویٰ کے ساتھ اسی کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے۔ اور اُسی کا ہو رہے۔ چنانچہ انسان کو جو قوتیں اور طاقتیں عطا کیگئی ہیں وہ عین اسلام کے احکام کے مناسب حال ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ اذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون۔ کہ اے انسانو! تم میری عبادت کرو میرا ذکر کرو۔ میں تمہیں اس عبادت کا بدلہ دونگا۔ اور اگر تمہیں کوئی اور بدلہ نہ بھی دیا جائے۔ تو پھر بھی تمہیں مجھے ہی یاد کرنا چاہیئے۔ اور میرا ہی شکر بجالانا چاہیئے۔ کیونکہ میں نے تمہیں پیدا کیا۔ اور ہر ایک قسم کی قوتیں اور طاقتیں تمہیں دیں۔ پھر کیا تم ایسے محسن کی ناشکری کرو گے۔

دنیا انسانی زندگی کا مقصد حقیقی نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیسے معلوم ہو کہ انسانی زندگی کا مدعا اور مقصد حقیقی یہی ہے۔ مال جمع کرنا محلات وغیرہ بنا لینا یا کوئی اور مقصد کیوں نہیں ہو سکتا۔ سو واضح ہے۔ کہ انسانی زندگی کا اصلی مقصد اپنے حقیقی مولا کی رضا اور اُسی کا وصال اور اس کی محبت میں گداز ہو جانا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انسان دنیا میں ہزار شغلوں کو اختیار کرکے بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر بڑا عہدہ پاکر تاجر بنکر بڑا عالم و فاضل اور حکیم و فلاسفر ہو کر آخر اس دنیا کی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور اسکے دل کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (انعام ع) بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔ اور اسکے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں۔ اور یہ غلط ہے کہ ہم کو پھر جی کر اُٹھنا ہے۔ پس ایسے لوگ اپنی زندگی کا اصل مدعا و مقصد دنیا ہی سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ اس سے بڑھکر انسانی زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ سو ایسا خیال کرنیوالوں کی خدا تعالیٰ مدلل طور پر تردید فرماتا ہے۔ فما اوتیتم من

شیٔ فمتاع الحیاۃ الدنیا وما عند اللّٰہ خیر و ابقیٰ للذین اٰمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون (شوریٰ ع ۴) من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الاٰخرۃ من نصیب (شوریٰ) یاایھا الناس انما بغیکم علیٰ انفسکم متاع الحیاۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعملون انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلنٰہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض مما یأکل الناس والانعام حتّٰی اذا اخذت الارض زخرفھا وازینت وظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتٰھا امرنا لیلا او نھارا فجعلنٰھا حصیدا کان لم تغن بالامس (یونس ع ۳) اے لوگو! جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ دنیا کی زندگی کا چندروزہ سامان ہے۔ اور جو اجر خدا کے ہاں ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو ایمان لائے۔ اور اپنے رب پر ہی توکل رکھتے ہیں۔ وہ اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پس دنیا انسان کا مقصود حقیقی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مقصود حقیقی وہی ہو سکتا ہے جو باقی رہنے والا ہو۔ اس لئے دنیا میں اصل مقصود انسان کے اسباب نہیں بلکہ اعمال ہیں۔ جو اسکے ساتھ جاتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ دنیا میں اسباب حاصل کرو۔ اور محلات وغیرہ بناؤ۔ یہی مقصود حقیقی انسانی زندگی کا ہے۔ تو وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء انسان کے ساتھ نہیں جاتیں پھر فرماتا ہے۔ کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اسکی کھیتی میں ترقی دیتے ہیں۔ اور جو کوئی دنیا چاہتا ہے۔ تو ہم انہیں سے کچھ حصہ دیتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ اس نقصان کو آخرت میں پورا کر دیا جائیگا نہیں بلکہ آخرت میں بھی اسکے لئے کوئی حصہ نہیں۔ یعنی جو شخص حقیقی مقصد آخرت قرار دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا اور لقاء کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو ہم اسکو دنیا بھی دیتے ہیں۔ اور پھر آخرت میں بھی اسکو دینگے۔ لیکن جو شخص صرف دنیا کو ہی اپنا مقصد قرار دے لیتا ہے۔ اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور عالم اور زندگی ہی نہیں۔ تو اسکی تگ و دو اور محنت و مساعی کی انتہا یہ دنیا اور اسکی خواہشیں ہیں۔ جو اسکو پورے طور پر اسکی آرزوؤں کے موافق نہیں ملتیں۔ اور انہیں کبھی بامراد نہیں ہوتے۔ اور یہ بالکل سچ ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ اور ضروریات اور خواہشات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے۔ جو اپنا بھلا نہ چاہتا ہو۔ اور تکالیف اور مصائب سے بچنے کی خواہش نہ کرتا ہو۔ حتیٰ کہ خودکشی کرنیوالا یا ریل کے نیچے آکر مر جانیوالا بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ میرا بھلا ہو اور تکلیفوں سے محفوظ رہوں کیونکہ وہ اپنے خیال میں پیش آمدہ تکالیف کو مدِ نظر رکھ کر خودکشی کو انسے کم درجہ پاکر اس فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے پس جبکہ ہر ایک انسان اپنی بھلائی چاہتا ہے۔ تو اسی طرح اگر محض دنیا ہی انسان کا اصل مقصد ہوتی۔ تو چاہئیے تھا۔ کہ وہ اسکو حسب خواہش ملتی مگر کسی انسان کو اسکی خواہشات کے موافق دنیا نہیں ملتی۔ دنیا کا پورے طور پر ملنا یہی ہے۔ کہ انسان کو ہر ایک قسم کی آسائش میسر آجائے۔ مثلاً جوانی صحت۔ بیوی۔ اولاد۔ مال۔ سخاوت۔ شجاعت۔ کان۔ آنکھ۔ پاؤں

سواریاں اور آیندہ کے خوف وحزن سے محفوظ رہنا وغیرہ مگر دنیا میں ایسی انسان کو بحسب خواہش میسر نہیں ہیں۔

پھر خدا دنیا کی ایک مثال دیکر سمجھاتا ہے۔ کہ اگر دنیا ہی انسانی زندگی کا اصل مقصد و مدعا ہوتی تو اُسے باقی رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ باقی نہیں رہتی چنانچہ فرماتا ہے۔ کہ اے لوگو! تمھاری سرکشی کا وبال تمھاری ہی جانوں پر پڑیگا۔ یہ بھی اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے فائدے ہیں۔ سو خیر کر لو جو کچھ تم کو کرنا ہے۔ آخر کار تمھیں ہماری طرف لوٹکر آنا ہے پھر جیسے جو تم دنیا میں نیک و بدعمل کر چکے ہوگے اسوقت ہم تمھیں بتا دینگے۔ دنیا کی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے۔ کہ ہم نے اسکو آسمان سے برسایا۔ پھر زمین کی روئیدگی جسکو آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں۔ پانی کے ساتھ مل گئی۔ اس طرح پر کہ پانی کو جذب کر لیا۔ اور وہ پھلی اور پھولی۔ یہانتک کہ جب زمین نے فصل سے اپنا سنگار کر لیا۔ اور خوش نما ہوئی۔ اور کھیت والوں نے سمجھا۔ کہ اب وہ اس پر قابو پا گئے جب چاہینگے کاٹ لینگے۔ تو ناگاہ رات یا دن کے وقت ہمارا عذاب آنازل ہوا۔ اور ایسا کٹا ہوا صاف کر دیا۔ کہ گویا کل کھیت میں اس کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ پس اگر دنیا مقصد حقیقی ہوتی۔ تو وہ انسان کے ساتھ جانی چاہیئے تھی۔ مگر وہ یہیں رہ جاتی ہے۔ اور انسان آگے چلا جاتا ہے۔ اب ذرا ان عالیجاہ بادشاہوں کی طرف نظر دوڑاؤ جن کے بڑے بڑے عالیشان محل تھے۔ اور جن کی خدمت کے لئے ہزاروں کا ہدار اور سوار ہروقت حاضر رہتے تھے۔ اور انواع واقسام کی آرام دہ چیزیں انکے پاس تھیں۔ کن حسرتوں سے وہ خالی ہاتھ اس جہان فانی سے چل بسے۔ پس دنیا کی تباہی۔ اور امراء کی عاجزی اور بیکسی اور ان حسرتوں پر غور کرو۔ جو ان کو مرنے کے وقت لاحق ہوتی ہیں۔ اگر ان کی زندگی کا مقصد حصول دولت اور سامان تعیش ہی ہوتے تو انکو مرتے وقت خوشی اور سرور حاصل ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حقیقی مقصد پانے سے خوشی حاصل ہوا کرتی ہے۔ نہ کہ رنج اور غم پس معلوم ہوا کہ دنیا انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہے۔

دنیا کا انسانی زندگی سے کیا تعلق ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ دنیا کا انسانی زندگی سے کیا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب قرآن مجید میں یہ دیا ہے۔ وما الحیاۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون (انعام ع) کہ اس دنیا کی زندگی تو ایک کھیل ہے۔ اور اگر کوئی شخص دنیا کمانے ہی کے فکر میں لگ جائے۔ تو وہ اصل مقصد سے غافل کرنیوالی چیز ہے۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں۔ کہ جو لوگ پرہیزگار ہیں۔ انکے لئے آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ کیا تم لوگ پھر بھی دنیا کے ہی دھندوں میں زندگی گذارنے سے نہیں رکتے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے دنیا کا تعلق انسانی زندگی سے بیان فرمایا ہے کہ جیسے ایک طالبعلم کا اصل مقصد اور مدعا تعلیم کو حاصل کرنا اور نصاب تعلیمی کو پورا کرنا ہے مگر اُسے اپنے جسمانی قویٰ کو صحیح وسالم رکھنے اور اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کو بحال اور ترو تازہ رکھنے کے لئے کھیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اسکے اصل مقصد کے حصول میں ممد اور معاون ہوتی ہے۔ اسوقت کھیل قابل مذمت نہیں۔

بلکہ قابلِ تعریف ہے۔ لیکن جو طالب علم کھیل کو ہی اپنا اصل مقصد قرار دے لیتا ہے۔ تو وہ اپنے حقیقی مقصد سے دور جا پڑتا ہے۔ اور آخر کار ناکام اور خائب و خاسر رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا سے اس رنگ میں تعلق رکھتا ہے۔ کہ وہ اسکے اصل مقصد کے حاصل کرنے میں روک واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اسکے ذریعہ سے بھی خدا تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے تو ایسی حالت میں دنیا کا حاصل کرنا اور اس سے تعلق رکھنا معیوب نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے۔ مگر جو شخص دنیا میں مال و اسباب وغیرہ جمع کرتا ہی اپنا حقیقی مدعا قرار دے لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ تو وہ بھی اپنے اصل مدعا اور مقصد سے دور جا پڑتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے۔ پس انسان دنیا کے اموال و اسباب بیشک جمع کرے مگر ایسے طریق پر نہ کرے کہ اس سے مقصد حقیقی فوت ہو جائے۔ چنانچہ اسکی مثال قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دی ہے۔ ووهبنا لداوٗد سلیمان نعم العبد انه اوّاب۔ اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتّٰی توارت بالحجاب ردّوها علیّ فطفق مسحا بالسوق والاعناق (ص) کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلیمانؑ عطا فرمایا وہ ہمارا بہت ہی اچھا بندہ تھا اور ہماری طرف ہر وقت جھکنے والا تھا۔ جبکہ ان کے روبرو دن کے تیسرے پہر اعلیٰ قسم کے تین پاؤں پر کھڑے ہونیوالے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو وہ ان اعلیٰ گھوڑوں کو دیکھ کر اپنے مقصود حقیقی کو بھول نہیں گئے۔ بلکہ فرمایا۔ کہ میں جو اس مال و منال سے محبت کرتا ہوں۔ اور مضبوط اصطبل بنواتا ہوں۔ تو یہ نہیں کہ انسان کا مقصد مال ہی جمع کرنا ہے۔ بلکہ اصل مقصد تو اپنے رب کا ذکر ہے۔ چونکہ اس مال کو دیکھ کر مجھے خدا یاد آتا ہے اور یہ بھی خدا تعالیٰ کے ذکر کو بلند کرنیکا باعث ہیں۔ کیونکہ انکے ذریعہ خدا تعالیٰ کے رستے میں جہاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ انکو پھر میرے پیش کرو۔ پھر وہ لوٹائے گئے تو آپ انکی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس مثال سے ظاہر ہے۔ کہ ایسا انسان بھی جو دنیاوی مال و اسباب کے لحاظ سے انتہائی نقطہ کو پہنچا ہوا ہو وہ بھی خدا تعالیٰ کا عبد بن سکتا ہے۔ اس طرح کہ اگر کسی چیز سے محبت کرے تو محض خدا تعالیٰ کی خاطر۔ اور ہر ایک چیز میں اور ہر ایک فعل میں خدا تعالیٰ کو مدِّنظر رکھے اور دست در کار اور دل بہ یار ہو۔ اور اسی طرح علوم طبعیہ اور ہیئت وغیرہ سے واقفیت حاصل کرنا بھی مقصود حقیقی کے حصول سے مانع نہیں بلکہ قرآن مجید کی تو یہ تعلیم ہے۔ کہ انسان فکر اور غوص میں مشق کرے۔ اور جو کچھ عجائبات صنعت زمین و آسمان میں بھرے پڑے ہیں۔ ان سے واقفیت حاصل کرے۔ مومنوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا یعنی وہ لوگ دنیا پرست لوگوں کی طرح صنعت شناسی اور ہیئت دانی سے صرف اتنی ہی غرض نہیں رکھتے بلکہ وہ صنعت کی کمالیت شناخت کرنیکے بعد اور اسکے خواص کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں

معبودانِ باطلہ کی رضا بھی انسانی زندگی کا مقصد نہیں

پھر دنیا میں بعض اشخاص ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اس جہان میں انسان کے آنے کی غرض خدا تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش اور انکے آگے جبہ سائی کرنا ہے۔ اور یہ بُت وغیرہ معبودانِ غیر اللہ ہی خدا کے آگے ہماری سفارش کرینگے۔ جسکی وجہ سے ہم مظفر و منصور اور فلاح دارین کے وارث ہونگے۔ اور خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرینگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اس عقیدہ کو بھی باطل ثابت کیا ہے فرماتا ہے۔ قال اتعبدون ما تنحتون واللہ خلقکم وما تعملون (صافات ع۳) واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا اذ قال لابیہ یابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا (مریم ع۳) لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیٔ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال (رعد ع۲) ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق (حج ع۴) ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون (زمر ع۵) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ کیا تم ایسی بے حقیقت چیزوں کو پوجتے ہو جنکو تم آپ تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم تراشتے ہو خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ یعنی وہ چیز جس کو انسان خود اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ اسکو اپنا معبود حقیقی اور اپنی زندگی کا مقصد قرار دینا نہایت ہی حماقت ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ اے میرے باپ تو اس چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے جو نہ سُنتی ہے۔ اور نہ دیکھتی ہے۔ اور نہ ہی وہ تجھے کوئی نفع دے سکتی ہے۔ اس آیت میں بتایا ہے۔ کہ معبود حقیقی تو وہی ہو سکتا ہے۔ جو بصیر اور سمیع ہو۔ کیونکہ ایک عاشق زار جو اپنے معشوق کی خاطر اپنے اوپر مصائب اور تکالیف وارد کرے۔ اور رنج و غم کے صدمے سہے۔ اگر معشوق کو کوئی خبر نہ ہو۔ تو اس عاشق کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کا مصائب کو برداشت کرنا محبوب کی رضا کا موجب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ معبود جسکی خاطر ہم ہر قسم کے آرام دنیوی کو ترک کر کے صرف اسی کی رضا کو باقی اشیاء پر مقدم کرتے ہیں۔ وہ اگر ہماری حالت کو دیکھتا نہیں ہے۔ اور مصیبت کے وقت ہماری فریادوں کو سُنتا نہیں۔ تو وہ ہرگز قابل پرستش نہیں ہے۔ نیز انسان جو عبادت کرتا ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ قولی اور فعلی۔ کچھ تو انسان دعا اور کلام کے ذریعہ اپنے معبود کی حمد اور اسکے لئے خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔ اور کچھ اپنے جسم کی حرکات سے فروتنی اور انکساری کو ظاہر کرتا ہے۔ ان دونو قسم کی عبادتوں پر جامہ قبولیت پہنانے اور انپر اجر مرتب کرنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ جسکی عبادت کیجاتی ہے۔ وہ سُننے والا بھی ہو اور دیکھنے والا بھی مگر معبودانِ باطلہ میں یہ دونو صفات مفقود ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ قابل پرستش اور انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہیں اور اصل دعا کرنے کے لائق وہی سچا خدا ہے۔ جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اور وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی علیم بھی ہے اور

خبیر بھی۔ اور جو لوگ اسکے سوا اوروں کو پکارتے ہیں۔ وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ انکی مثال تو ایسی ہے۔ کہ جیسے کوئی پانی کی طرف ہاتھ لمبا کرے اور کہے کہ اے پانی میرے منہ میں آجا تو کیا وہ اسکے منہ میں آجائیگا۔ ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بے خبر ہیں۔ انکی تمام دعائیں باطل ہیں۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں۔ اور شرکا کو اپنا معبود مانتے ہیں۔ انکی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر ہو اور وہاں سے گر پڑے تو کھانیوالے پرندے اسکو اچک لیویں۔ یا ہوا اسے اڑا کر کہیں دور کے مکان میں پھینکدے۔ کیونکہ انسان اگر دنیا کی اشیاء پر غور کرے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ تمام نظام عالم کو اسکی خدمت میں لگایا گیا ہے۔ یہ مخدوم ہے اور باقی اشیاء اسکی خادم ہیں۔ پس اگر کوئی انسان کسی چیز کو اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ تو خادم کو مخدوم اور خود مخدوم ہو کر خادم بنتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر تھا اور زمین پر گر پڑا۔ اور تباہ ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی عبادت کرنا انسانی زندگی کا مدعا اور مقصد نہیں ہے۔

اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کو ہم مانتے ہیں وہ ہماری زندگی کا اصل مدعا اور مقصد تو نہیں البتہ اصل مدعا اور مقصد یعنی خدا تعالیٰ کے قرب اور اسکی رضا کو حاصل کرنیکا ایک ذریعہ ہیں۔ جو ہماری شفاعت کرینگے۔ ان کا جواب دیا۔ کیا ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے سوا سفارشی ٹھیرائے ہیں۔ اے مخاطب تو ان لوگوں سے کہدے۔ کہ خواہ تمھارے یہ سفارشی کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں۔ اور نہ ہی انہیں کچھ عقل و شعور ہو۔ فرمایا کہ وہ شفیع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ سفارش تین وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ ایک تو اسلئے کہ جسکے آگے سفارش کیجاتی ہے۔ وہ اصل حالات سے واقف نہیں ہوتا اور سفارش کرنیوالا زیادہ جانتا ہے۔ اور یا شفاعت بالوجاہت ہوا کرتی ہے۔ کہ سفارش کرنیوالا اپنی وجاہت کے لحاظ سے اپنی بات دوسرے سے منواتا ہے۔ یا یہ کہ جسکے آگے سفارش کیجاتی ہے۔ وہ کسی کی وجاہت اور بزرگی اور اپنے تعلق کو دوسرے پر ثابت کرنیکے لئے سفارش کی اجازت دیدیا کرتا ہے۔ مگر معبودان باطلہ کے لئے انمیں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں۔ نہ تو انہیں عقل و شعور ہے۔ اور نہ ہی ان میں سننے اور دیکھنے کی قوت ہے۔ اور نہ ہی وہ کوئی وجاہت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی انکے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کیلئے کوئی اجازت نامہ آیا ہے۔ پس کیونکر اور کس دلیل سے تم نے یہ سمجھ لیا۔ کہ معبودان باطلہ ہمارے شفیع ہونگے۔ اور یہ سب معبود جن کو تم خدا تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔ تمہیں کسی قسم کی بھی مدد دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ تم کو کیا مدد دینگے۔ جبکہ وہ خود اپنی بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ تو اس حالت میں وہ تمھاری زندگی کا مقصد حقیقی اور مدعا کیونکر ہو سکتے ہیں۔

پس انسانی زندگی کا اصل مقصد و مدعا صرف ایک ہی ذات ہے۔ اور اسی کا ہی انسان کو ہو رہنا چاہیئے۔ اور کسی کو اسکے ساتھ عبادت میں شریک کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء وصورکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبات فتبارک اللہ رب العالمین۔ وھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین (مومن ع) یعنی اللہ وہ ذات

ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا اس طریق سے کہ اس میں تمہاری ضروریات کے سب سامان مہیا ہیں۔ اور پھر تمہاری صورتیں ایسی بنائیں جو سب اشیاء کی صورتوں سے احسن اور تمہارے کاموں کے مناسب حال ہیں۔ اور پھر تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمائے پس اللہ تعالیٰ ہی برکت والا ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور وہی ہمیشہ زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ کیونکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس لئے خالص اسی کی فرمانبرداری کو مدنظر رکھ کر اسی کی عبادت کرو سب تعریفیں خدا ہی کو سزاوار ہیں۔ جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے احسانات اور نعمتوں کا ذکر کر کے بتا دیا۔ کہ عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی کرنی چاہیئے۔

کیا انسان کو اس مقصدِ اعلیٰ کے حاصل کرنیکے لئے استعدادیں دی گئیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب انسان کی زندگی کا مدعا اور مقصد خدا تعالیٰ کی رضا اور اسی کی محبت میں محو اور گداز ہو کر اسکی صفات اپنے اندر جذب کر لینا ہے (یعنی خدا تعالیٰ عفو ہے۔ غفور ہے۔ رحیم ہے۔ رب ہے۔ رؤف ہے۔ شکور ہے۔ تو انسان کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ دوسروں کے قصوروں کو معاف کرے۔ اور دوسروں کی کمزوریوں پر پردہ پوشی کرے اور نیک کام کا بدلہ دے اور یتیموں اور بیکسوں اور ضعیفوں اور عاجزوں کی تربیت کرے۔ اور دوسروں پر ترس کھانیوالا اور قدردان ہو۔ غرضیکہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اخلاق ظاہر کرنیوالا بنے) تو کیا انسان کو اس مقصد کے حصول کے لئے استعدادیں اور قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ یا خدا تعالیٰ اُسے تکلیف مالا یطاق دینی چاہتا ہے۔ سو اس سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ طاقتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ نہایت ہی عمدہ اور قابل نشو و نما قوتوں کو لیکر دنیا میں آیا ہے۔ پس ان قویٰ اور طاقتوں پر غور کر کے دیکھو کہ ان کا منتہا اور غایت کیا ہے۔

"ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس چیز کے قویٰ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر آگے جا کر ٹھیر جاتے ہیں۔ وہی اعلیٰ کام اسکی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً بیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا باربرداری ہے۔ اس سے زیادہ اسکی قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی قوت اس میں نہیں پائی جاتی۔ مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹولتے ہیں۔ کہ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے۔ تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدائے اعلیٰ و برتر کی اس میں تلاش پائی جاتی ہے۔ یہانتک کہ وہ چاہتا ہے۔ کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو۔ کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ سب خدا کا ہو جائے۔ وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکالکر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں۔ کہ اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ظاہر ہے۔ کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدا تعالیٰ کا وصال ہے۔ لہٰذا اسکی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اسکے دل کی کھڑکی کھلے۔"

ایک اور مقام پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا عرضنا الامانة علی السموٰات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جھولا۔ لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنات وکان اللہ غفورا رحیما (احزاب ع ۹)

کہ ہم نے ایک امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے بزبان حال اسکے اُٹھانے سے انکار کیا۔ اور ڈر گئے کیونکہ اُسے وہی اُٹھا سکتا جس میں اپنے نفس کی مخالفت اور اپنے نفس پر سختی کرنے کی صفت ہو۔ اسی وجہ سے انسان نے اس امانت کو جو ربوبیت کا کامل ابتلاء ہے جسکو فقط عبودیت کا ملہ اُٹھا سکتی ہے۔ اُٹھا لیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا یعنی خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس پر سختی کر سکتا تھا۔ اور غیر اللہ کو بالکل بھول جانیوالا تھا۔ اور اسکے اندر اس بات کا مادہ رکھا گیا تھا۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت کیلئے اس کے سوا اپنی دوسری محبوب چیزوں کو چھوڑ دے پس وہ چیز جو خدا تعالیٰ کے چشمہ سے نکلی تھی یعنی شریعت الٰہی جو سراسر خیر اور صلاحیت اور برکت کی چیز اور مجسم نور تھی۔ اسکو اس نور یعنی انسان نے قبول کیا۔ کیونکہ وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو ان دو صفات ظلوم اور جہول میں بیان کیا گیا ہے انسان کے سوا کسی اور کو نہیں دیا گیا تھا۔ نہ وہ نور ملائکہ میں تھا۔ نہ نجوم میں نہ قمر میں نہ شمس میں نہ لعل میں نہ یاقوت میں نہ زمرد میں نہ الماس میں اور نہ ہی زمین کے سمندروں اور دریاؤں اور پہاڑوں اور جزیروں اور جھیلوں اور تالابوں اور درختوں میں تھا۔ بلکہ صرف انسان کو ہی یہ نور عطا کیا گیا تھا۔ اسی کو تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف و محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی و جسمانی عطا کیئے۔ پس بعض نے تو ان طاقتوں کو امانت سمجھ کر خدا تعالیٰ کے رستہ میں فنا کر کے بحکم الٰہی ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا خدا تعالیٰ کی طرف واپس لوٹا دیا۔ جسکی وجہ سے وہ اجر کے مستحق ہوئے۔ اور بعض نے امانت دینے والے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا اور دوسری چیزوں کے لئے فنا کر دیا۔ جسکی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوئے۔

مقصد حقیقی کو پانیکے ذرائع

پس جب خدا تعالیٰ نے انسان کو مقصد حقیقی کے پانے کیلئے قویٰ اور استعدادیں عطا فرمائیں۔ اور سب اشیاء پر اسکو بالواسطہ اور بلاواسطہ حکومت دی۔ اور تمام قسم کی اعلیٰ قوتیں اور طاقتیں عطا کیں۔ سورج کو اس کی خدمت کیلئے بنا دیا زمین اور آسمان اور ستارے اور پہاڑ اور دریا اور سمندر اور نور اور ظلمت اور حجر اور شجر کو اسکے فائدہ کے لئے بنایا۔ اور اسکے حق میں فرمایا۔ کہ انی جاعل فی الارض خلیفة۔ کہ میں اسکو زمین میں اپنا قائم مقام بناؤنگا تا کہ وہ میری تمام صفات کا مظہر ہو پس جب اتنا بڑا مقصد مدعا اس کی پیدائش کا قرار دیا۔ تو ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس مقصد کو حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع کا بھی ذکر فرماتا۔ تا انسان انہیں اختیار کر کے اپنے مقصد اور مدعا کو بآسانی پا سکتا۔ سو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بہت سے ذرائع اور اسباب کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

پہلا ذریعہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنیکے لئے ضروری ہے۔ کہ انسان حقیقی خدا کو شناخت کرتا ہو اور غیر اللہ کو خدا نہ سمجھے ہوئے ہو ورنہ جو کچھ بھی وہ کام یا عبادات بجا لائیگا۔ تو غیر محل میں استعمال ہونیکی وجہ سے اصل مقصد

سے محروم رہیگا۔ اور ہلاک ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ارأیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ۔ افانت تکون علیہ وکیلا

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا (فرقان ع)

اے رسول کیا تم نے ایسے شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ کیا تم اس کی نگرانی کر سکتے ہو۔ یا تم خیال کرتے ہو کہ ایسے لوگوں میں سے اکثر بات کو سنتے یا سمجھتے ہیں۔ نہیں وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق دنیا میں عمل کرتے ہیں۔ اور اپنے خالق حقیقی کی طرف توجہ نہیں کرتے وہ درحقیقت درجہ انسانیت سے گرے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ لہ دعوۃ الحق و الذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشئ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال یعنی دعا کرنیکے لائق وہی سچا خدا ہے۔ جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اور جو لوگ اسکے سوا اوروں کو پکارتے ہیں۔ وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اے پانی میرے منہ میں آجا تو کیا وہ اسکے منہ میں آجائیگا ہرگز نہیں۔ سو اسی طرح جو لوگ معبود حقیقی سے غافل ہیں۔ ان کی تمام عبادتیں اور دعائیں باطل ہیں۔

دوسرا ذریعہ خدا تعالیٰ کے حُسن پر اطلاع پانا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ علاوہ اور موجبات اور اسباب کے حُسن اور خوبصورتی بھی دل کو اپنی طرف مائل کرنیوالی چیز ہے۔ یہانتک کہ بعض وقت خوبصورتی انسان کے قلب میں ایک ایسا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کہ انسان بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اور بغیر ارادہ کے خوبصورت چیز کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ پس انسان کو مقصد حقیقی کے حاصل کرنیکے لئے اللہ تعالیٰ کے حُسن پر بھی اطلاع پانا ضروری ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا حُسن اسکی ذات اور صفات کی خوبیاں ہیں۔ کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے۔ واحد لاشریک ہے۔ غفور ہے۔ رحیم ہے۔ اسی نے ہر ایک خوبصورت چیز پر اپنے حُسن کا پرتو ڈالا ہے۔ چاند اگر خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ یا چھوٹے چھوٹے ستارے اندھیری رات میں چمکتے ہوئے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ یا گلاب کا خوشنما پھول اور گیندے کا پھول دلکش دکھائی دیتا ہے۔ تو یہ سب درحقیقت ظلی طور پر اس لازوال حُسن سے حصہ لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہو گیا ٭ کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

یعنی اہل دنیا کی نظروں میں خوبصورتی میں انتہائی چیز جس سے وہ اپنے محبوبوں کو خوبصورتی میں تشبیہ دیتے ہیں چاند ہے۔ مگر چاند میں بھی خدا تعالیٰ کے ہی حُسن کا تھوڑا سا پرتو پڑا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:-

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں ٭ ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے ٭ ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

تُونے خود روح ونپہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک ٭ اس سے ہے شورِ محبّت عاشقانِ زار کا

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الحمد للّٰہ کہ اللہ ہی تمام خوبیوں اور حُسنوں کا جامع ہے اور حقیقت میں وہی قابل حمد اور تعریف ہے۔ اور للہ الاسماء الحسنیٰ کہ اسی کے لئے تمام اچھے نام ہیں۔ کوئی حُسن اور کوئی کمال اور کوئی خوبی ایسی نہیں جو اس میں نہ پائی جاتی ہو۔ پھر فرمایا لیس کمثلہٖ شیء فلا تضربوا للّٰہ الامثال کہ اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ پس اسکے حُسن کی کسی سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے اے انسانو! تم بھی غلطی کروگے اگر اسکے ساتھ دوسری چیزوں کو ملاؤ گے اور اس کے لئے بطور مثال کے بیان کروگے۔

تیسرا ذریعہ تیسرا ذریعہ مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے خدا تعالیٰ کے احسانات پر اطلاع پانا ہے۔ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ احسان ایک ایسی چیز ہے۔ جو بڑے بڑے سرکشوں اور مغروروں کے سر کو مُحسن کے آگے جھکا دیتی ہے اور درحقیقت عبادت کی محرک دو چیزیں ہُوا کرتی ہیں۔ محبّت یا خوف۔ پھر محبّت کی محرک دو چیزیں ہوتی ہیں حُسن یا احسان۔ سو ضروری تھا۔ کہ معبود حقیقی ان سب صفات کا جامع ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الحمد للّٰہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم۔ ملک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام حسنوں اور خوبیوں کا جامع ہے۔ اور مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے۔ اور وہ تمام جہانوں کو پیدا کرکے تدریجاً ترقی دینے والا اور انکے محض اپنے فضل سے تمام قسم کی ضروریات زندگی کو بنانیوالا اور نیک اور سچّی محنتوں کا بڑھ کر اجر دینے والا ہے اور پھر جزا و سزا کے دن کا مالک ہے چاہے تو وہ سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے کیونکہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی چیز کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے اس کا سزا دینا حکمت سے خالی نہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے طبعی ترتیب کو مدّنظر رکھا ہے۔ پہلے تین صفات ایسی بیان کی ہیں جو اپنے اندر محبّت کا رنگ رکھتی ہیں۔ اور چوتھی صفت اپنے اندر خوف کو بھی لئے ہوئے ہے۔ اسی طرح پہلے حسن بیان کیا ہے پھر احسان اب اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے کہ اس نے انسان کو وجود بخشا اور اسکی ضروریات زندگی کو بغیر اسکے مانگنے اور اس کی محنتوں اور کوششوں کے اسکے لئے مہیّا کیا اور پھر اس کی نیک محنتوں اور کوششوں کا بھی بدلہ دیگا اسلئے ہر عقلمند انسان کی زبان سے یہی نکلتا ہے۔ کہ ایاک نعبد کہ اے خدا ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ہی مدد کے طالب ہیں۔ کیونکہ دنیا میں تیرے جیسا اور کون منعم ہے (کہ ہم اس سے جا کر مدد طلب کریں)

اسی طرح فرمایا۔ یٰایّھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشاً و السماء بناء و انزل لکم من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا للّٰہ انداداً و انتم تعلمون (بقرہ ع ۳) اے انسانو! تم اپنے پیدا کرنے والے خدا کی عبادت کرو۔ یہی نہیں کہ اس نے صرف تم پر ہی یہ احسان کیا ہے بلکہ تمہارے آباء و اجداد کا منعم اور خالق بھی وہی ہے۔ جس نے تمہاری مدار زندگی اشیاء کو بھی محض اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری حفاظت کیلئے ہر ایک قسم

کی چیزوں کو بنایا۔ زمین کو تمھارے لئے بچھونا بنایا۔ اور اوپر کی تمام بلندیاں سورج اور چاند اور ستارے اور بادل وغیرہ کو تمھاری زندگی کے محافظ بنایا۔ پھر بادلوں سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعہ سے کئی قسم کے کھانے اور پھل اور پھول تیار کیے۔ بتاؤ ایسے محسن خدا کو چھوڑ کر تم کس کی عبادت کرو گے۔ پس خدا تعالیٰ کا عبد بننے کیلئے اس کے حسن و احسان پر اطلاع پانا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ ان دونو ذریعوں کی طرف خدا تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر) کہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر وہی لوگ ڈرتے ہیں۔ جو اسکی عظمت اور قدرت اور اسکے حسن و جمال اور احسان و انعام پر علم کامل رکھتے ہیں۔

چوتھا ذریعہ دعا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم کہ مجھ سے دعائیں کرو میں تمھاری دعائیں قبول کرونگا پھر فرمایا قل ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاء کم کہ اے رسول تو کہدے کہ اگر تم خدا کو نہ بلاؤ اور اس سے دعائیں نہ کرو تو میرے پروردگار کو بھی تمھاری کچھ پروا نہیں ہے۔ پس خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکا ایک بڑا ذریعہ دعا بھی ہے۔

پانچواں ذریعہ پانچواں ذریعہ مقصد حقیقی کو پانیکے لئے خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے۔ انسان ہر وقت ہر گھڑی ہر آن خدا تعالیٰ کو یاد رکھے۔ اور کسی وقت بھولے نہیں۔ کھانا کھاتے وقت پانی پیتے وقت۔ سفر میں حضر میں۔ چلتے ہوئے ٹھیرے ہوئے خدا تعالیٰ کا ہی ذکر کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ بھی اس کا ذکر بلند کریگا۔ فرمایا اذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون کہ تم میرا ذکر کرو اسکے بدلے میں میں تمھارا ذکر کرونگا۔ اور تمھیں اس کا بدلہ دونگا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ ان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (متفق علیہ) کہ اگر کوئی بندہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیگا۔ خدا تعالیٰ اس کا متکفل ہوگا۔ اور اسکی ہر قسم کی ضروریات کو پورا کریگا۔ پھر فرمایا کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ انسان فقیر ہو یا بادشاہ غریب ہو یا امیر اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے سے اُسے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں۔ ایک فقیر سے کسی بادشاہ نے پوچھا کہ تمھاری رات کس حالت میں گذرتی ہے۔ جواب دیا کچھ بادشاہ جیسی اور کچھ بادشاہ سے اچھی۔ حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیسے فقیر نے جواب دیا۔ کہ ایک حالت جاگنے کی ہے اور دوسری سونے کی۔ جو جاگنے کی ہے وہ تو اچھی گذرتی ہے کیونکہ اسوقت میں تو خدا تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہوں جو انسانی زندگی کا اصل مقصود ہے اور بادشاہ شراب پیتے اور دوسرے بُرے کاموں کا مرتکب ہوتا ہے اور سونے کی حالت دونو کی یکساں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ خواب میں بادشاہ کسی گندی نالی میں پڑا ہوا ہو اور فقیر کسی اعلیٰ تخت شاہی پر اپنے آپ کو بیٹھا ہوا دیکھے۔ پس یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

چھٹا ذریعہ تاثیر صحبت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص صالحین کی صحبت میں رہیگا تو وہ انہی کے اخلاق وعادات میں سے حصّہ لیگا۔ اور جو شخص بُروں اور بدکاروں کی صحبت میں بیٹھیگا۔ وہ ان کے سجیات وخصائل سے حصّہ پائیگا۔ سو اسلئے خدا تعالیٰ نے ایک وسیلہ تعلق باللہ ان لوگوں کی صحبت میں فرمایا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے شیدا اور عاشق ہیں۔ اور ہر وقت ان کی زبان خدا تعالیٰ کے ذکر سے تر رہتی ہے فرماتا ہے۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ (کہف ع) اے انسان! تو اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ باندھے رکھ جو کہ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ پھر ان کا پکارنا ایک دو منٹ کیلئے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ان کے فطری تقاضوں میں داخل ہوگیا ہے۔ جس طرح کہ وہ کھانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح وہ خدا تعالیٰ کے ایسے دلدادہ اور اسکے عشق میں ایسے والہ وشیدا ہیں کہ جبتک وہ اس کا ذکر نہ کرلیں انہیں چین نہیں آتا۔ پھر بعض لوگ تو مصائب اور تکالیف سے نجات پانے کے لئے ہی خدا تعالیٰ کو پکارا کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ ایسے ہیں۔ کہ انہیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنیکے سوا اور کوئی چیز مطلوب ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کونوا مع الصادقین کہ اے انسانو! تمھیں چاہیئے۔ کہ تم ان لوگوں کی معیت اختیار کرو۔ جو خدا تعالیٰ کے اوامر کو بجالاتے ہیں۔ اور انکی ہر ایک بات صدق اور درستی پر مبنی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے جو عہد کرتے ہیں انہیں سچا کرکے دکھلاتے ہیں۔

ساتواں ذریعہ ہر ایک شخص جانتا ہے۔ کہ اگر کسی انسان سے ہمیں دوستانہ اور محبانہ تعلق ہو اور اُسے کسی مجلس میں بُرا بھلا کہا جاتا ہے اور اس کی تحقیر اور تذلیل اور ہتک کیجاتی ہے۔ تو ہم وہاں سے چلے جاوینگے۔ اور اپنے ایک دوست کے متعلق بُرا سُننا گوارا نہیں کرینگے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت رکھنے کا ایک ذریعہ یہ ہے۔ کہ جس مجلس میں خدا تعالیٰ کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہو۔ اس میں شمولیت نہ کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فاعرض عنھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ واما ینسینّک الشیطان فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین (انعام ع) کہ اے انسان جب تُو ایسے لوگوں کو دیکھے۔ جو ہماری آیتوں کو مشغلہ بنا رہے ہوں اور سنجیدگی اور متانت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہماری آیات کا ذکر کرتے ہوں۔ تو ان سے اس وقت تک اعراض کرے جبتک کہ وہ ایسی گفتگو کو چھوڑ کر دوسری گفتگو کرنے نہ لگ جائیں۔ اور اگر شیطان تم کو ہماری یہ نصیحت بھلا دے۔ تو یاد آنیکے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔ یا اگر تمھیں غصّہ آجائے۔ تو پھر بھی تمھاری بات نصیحت کرنے تک ہی محدود رہے دست وگریبان نہ ہونا اور نصیحت کے بعد وہاں سے چلے آنا۔ پھر فرماتا ہے۔ وقد نزّل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم اٰیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی

حدیث غیرہ انکم اذًا مثلھم (نساء ع) خدا تعالیٰ نے تم پر اس کتاب میں یہ حکم نازل کیا ہے۔ کہ جب تم کسی مجلس میں اپنے کانوں سے سنو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگجائیں۔ اور اگر تم انکے ساتھ بیٹھے رہو گے تو آہستہ آہستہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اس جگہ قیام امن کا بھی کیسا پاک اصل بیان کیا ہے۔ آجکل جلسوں اور مباحثات میں جو اسوجہ سے خرابیاں اور فساد واقع ہوتے ہیں۔ اگر اس اصل پر عمل کیا جائے۔ تو ایسے تمام فسادات رک سکتے ہیں۔

آٹھواں ذریعہ قاعدہ ہے۔ کہ جب ہم کسی کی خاطر غیرت دکھلائینگے۔ اور اسکے دوست کو دوست اور اسکے دشمن کو دشمن جانینگے۔ اور ہر طرح ہماری بہتری اور بہبودی کا خواہاں ہوگا۔ پس آٹھواں ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنیکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے دشمنوں کو ہم دشمن جانیں اور اسکے پیاروں اور اسکے رستے میں مال و جان فدا کرنیوالوں کو دوست۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولوکانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون (مجادلہ ع) کہ اے رسول تو ان لوگوں کو جو خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کبھی ایسا نہیں دیکھیگا۔ کہ وہ خدا اور اسکے مخالفوں سے دوستی اور محبت رکھیں۔ گو وہ انکے باپ یا انکے بیٹے یا انکے بھائی۔ یا انکے کنبے کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا نقش کر دیا ہے۔ اور اپنے فیضان غیبی سے انکی تائید کی ہے۔ اور وہ انکو بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کریگا۔ جنکے تلے نہریں بہ رہی ہونگی۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہ خدائی گروہ ہے۔ ابھی سے سن رکھو۔ کہ خدائی گروہ ہی آخر کار فلاح پائیگا۔ چنانچہ کتب سیر میں یہ روایت موجود ہے۔ کہ جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اسلام لائے۔ تو اپنے والد صاحب سے ایکدن کہنے لگے۔ کہ جنگ بدر میں ایک مقام پر آپ میری زد میں آگئے تھے۔ جہاں سے میں آپکو قتل کر سکتا تھا۔ تو آپنے جواب دیا۔ کہ خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر اسوقت مجھے ایسا موقعہ ملجاتا۔ تو میں تجھے ضرور قتل کر دیتا کیونکہ اسوقت تو اسلام پر نہیں تھا۔ بلکہ خدا اور اسکے رسول کا دشمن ہو کر مقابلہ پر آیا تھا۔

نواں ذریعہ نواں ذریعہ مقصود حقیقی کو پانیکا ابتلاؤں کے وقت ثابت قدمی اور استقامت ہے۔ کہ انسان جب چاروں طرف سے مصائب میں گھرا ہوا ہو۔ اور اپنی عزت و مال و جان کو معرض خطر میں دیکھتا ہو۔ اور تسلی دینے والی بھی کوئی چیز نہ ہو۔ تو ایسے وقتوں میں بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کے آگے فریاد نہ کرے۔ اور برا نہ مانے۔ کیونکہ

خدا تعالیٰ ان ابتلاؤں سے اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اور لوگوں کو اور اُسے خود اس کی حالت دکھانا چاہتا ہے کہ آیا وہ فی الواقع ہمارا سچا بندہ اور ہمارا عاشق صادق ہے یا نہیں۔ سو جب انسان ایسے وقتوں میں استقامت سے کام لے۔ اور خدا تعالیٰ کے دامن سے اپنے کو وابستہ رکھے۔ تو تب خدا تعالیٰ کا تعلق اس سے مضبوط ہو جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں اور فضلوں کے دروازے کھول دیگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المہتدون (بقرہ ع ۱۹) اور ہم ضرور تمہیں خوف اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کے نقصان سے آزمائینگے اے رسول تو ان سب مصائب پر صبر کرنیوالوں کو خوشنودی خدا اور کشائش اور رحمتوں کی بشارت دیدے۔ وہ ایسے ہیں۔ کہ جب انپر مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں۔ کہ ہم یعنی ہماری جان ہمارا مال ہماری عزت اور آبرو اولاد وغیرہ سب خدا کا ہی ہے۔ اور ہم اس کی طرف جانیوالے ہیں۔ پس یہی لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں۔ اور یہی راہ راست پر ہیں اور اس پر چلکر اپنے مقصود حقیقی کو پانیوالے ہیں

دسواں ذریعہ دس ذریعہ اصل مقصود کے پانیکے لئے مجاہدہ ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں اور اپنے مال وجان کو اسکے رستے میں خرچ کرے کہ اس کی رضا کا خواہاں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جاھدوا باموالکم وانفسکم الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (آل عمران ع ۱۴) والذین جاھدوا فینا لنھدینہم سبلنا (عنکبوت) کہ تم اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے رستہ میں کوشش کرو۔ اور یاد رکھو کہ حقیقی خوشی انہی لوگوں کیلئے ہے۔ جو اپنے اموال اور نفوس اور اپنی تمام طاقتوں کو خوشحالی اور تنگدستی کے وقت خدا تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں۔ اور کسی پر بے سبب غصہ نہیں ہوتے اور سبب ہوتے ہوئے بھی غصہ روکنے سے کوئی فساد نہ لازم آتا ہو۔ اور اصلاح ہو سکتی ہو۔ تو غصہ کو روک لیتے ہیں۔ اور پھر اپنے دل میں کوئی کینہ یا بُغض یا غصہ کا اثر باقی نہیں رکھتے۔ بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور پھر معاف ہی نہیں۔ بلکہ قصور کرنیوالے پر احسان بھی کر دیتے ہیں۔ اور جو انسان ایسا کام کرتا ہے تو خدا اس کا دوست ہو جاتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ اور انہی لوگوں کو ہی جو کہ ہمارے رستوں میں ہمارے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر مجاہدات کرتے ہیں ان کو اپنے پاس آنے کے رستے دکھا دیا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی ذرائع قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں۔ مثلاً توبہ و استغفار۔ اور

کامل لوگوں کے نمونہ پر چلنا۔ توکل اور تقویٰ۔ پاک کشف اور خوابیں اور الہام۔ فساد اور تکبر اور زیادتی اور بیجا فخر۔ اور ظلم اور خیانت وغیرہ سے رُکنا۔ جن کی تفصیل بوجہ کمی وقت چھوڑی جاتی ہے۔

کیا کسی نے مقصد حقیقی کو پایا؟

اب یہ سوال باقی رہتا ہے۔ کہ آیا کسی نے اس مقصد کو حاصل بھی کیا ہے۔ قرآن مجید اس کا جواب دیتا ہے کہ ہاں کیا۔ ایک یا دو نے نہیں۔ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں اور کروڑوں انسانوں نے اس مقصد کو پایا۔ انہوں نے اپنے اموال و نفوس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کیا وہ ستائے گئے اور ہر قسم کے دُکھ دیئے گئے۔ وہ آگ میں ڈالے گئے اور تلواروں کی تیز دھاروں کے نیچے بکریوں کی طرح ان کے خون بہائے گئے ہاں وہ بڑے نازک جسموں والے تھے۔ مگر بڑے بڑے ٹھوس پتھروں کو اپنے مولا کی رضا کیلئے پھولوں کی طرح اپنے سروں پر لیا۔ جبکہ خون انکے بدن سے فوارے کی طرح نکل رہا تھا پتھر پھینکنے والوں کی آنکھوں میں اگرچہ آنسو آگئے۔ مگر وہ اپنے محبوب حقیقی اور مقصود اعلیٰ کے پالینے کی وجہ سے ہشاش بشاش تھے۔ چنانچہ بطور نمونہ کے خدا تعالیٰ اپنے چند عباد کا ذکر فرماتا ہے۔ واذکر عبدنا داؤد ذالاید انہ اواب (ص ع) ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب (ص ع) واذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربہ (ص ع) واذکر عبادنا ابراھیم و اسحاق و یعقوب اولی الاید والابصار واذکر اسمٰعیل والیسع وذا الکفل وکل من الاخیار (ص ع) وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (فاطر ع) کہ حضرت داؤدؑ ہمارا عبد تھا اسی طرح حضرت سلیمانؑ اور ایوبؑ اور ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اسمٰعیلؑ اور الیسع اور ذوالکفل اور حضرت زکریا علیہم السلام وغیرہ سب ہمارے بندے اور ہمارے برگزیدہ تھے۔ اسی طرح ہر ایک قوم میں آنحضرت صلعم سے پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے نذیر آیا جو خدا تعالیٰ کا ایک عبد ہوتا تھا۔ اور اسکے ذریعہ سے ایسی جماعتیں قائم ہوئیں۔ جنہوں نے مقصود حقیقی کو پایا۔ ہندوؤں میں سے بھی ایسے لوگ ہوئے۔ جن پر خدا تعالیٰ راضی ہوا۔ اور عیسائی اور یہودی اور ایرانی اور یونانی وغیرہ بھی اس سے خالی نہ رہے۔ آخر میں آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے اور آپ کے ذریعہ سے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں نے مقصد حقیقی کو حاصل کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم (توبہ ع) اور سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے اور وہ لوگ جو انکی نیکی کے ساتھ پیروی کرینگے اور انکا نیک نمونہ اختیار کرینگے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں ان کے لئے خدا تعالیٰ نے ایسے باغات تیار کئے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہینگے۔ اور یہی وہ بڑی کامیابی ہے جو انسان کا اصلی مقصد ہے۔

عبادت سے فائدہ

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوگیا۔ کہ عبادت اور تمام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہو جائے۔

اور وہ اس پر اپنے انعام واکرام کی بارشیں برسائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ کہ اے نفس مطمئنہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی پا گیا ہے میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں آ جا یعنی جب انسان عبد بنے گا تو اُسے جنت نصیب ہوگی۔ اور بحسب خواہش ہر قسم کی راحت اور آسائش حاصل کریگا۔ اور اُسے ایک اطمینان حاصل ہو جائیگا۔ جو مقصد حقیقی کے حصول کے وقت ہونا لازمی ہے۔ اور ہر قسم کی تکالیف اور مصائب سے محفوظ ہو جائیگا۔ اور اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے سایہ تلے آ جائیگا۔

یہ مقصد کس مذہب میں حاصل ہو سکتا ہے

قریباً تمام مذاہب اس حد تک متفق دکھائی دیتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی کا مدعا اور مقصد خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ یہ مقصد کس مذہب میں حاصل ہو سکتا ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ کسی مذہب والوں کا یہ حق نہیں۔ کہ وہ دوسرے مذہب والوں کو اپنی طرف بلائیں جبتک کہ وہ اپنے مذہب میں دیگر مذاہب سے کوئی امتیازی بات نہ ثابت کریں۔ ورنہ دعویٰ میں تو سب برابر ہیں۔ سو اب میں آپ صاحبان کو بتاتا ہوں۔ کہ اسوقت اس مقصد کو پانے کے لئے صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہے۔ باقی سب دروازے بند ہو گئے اور وہ دروازہ اسلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ ان اللہ غفور رحیم۔ کہ آج منکرین اسلام تمہارے دین پر غالب آنے سے ناامید ہو گئے پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو ہی دین پسند کیا۔ کہ انسان اپنے تمام قوی اور طاقتوں کو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں لگا دے۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اسوقت قابل قبول مذہب اسلام ہی ہے۔ اور جو اس کے سوا کوئی اور مذہب چاہیگا وہ قبول نہیں کیا جائیگا۔ انسان فطرتاً نمونہ کا محتاج ہے۔ اگر لوگ نمونہ چاہیں تو اے رسول تو اُن سے کہدے۔ کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے محب صادق بنجاؤ تو میری پیروی کرو۔ اس کا نتیجہ یہی نہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے عاشق صادق ہو جاؤ گے بلکہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لیگا۔ اگر کوئی شخص اپنے گناہوں اور کمزوریوں کو دیکھ کر کہے۔ کہ میں کیسے محبوب ہو سکتا ہوں۔ تو فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور کمزوریوں کو ڈھانپنے والا اور نیک کاموں کا بدلہ دینے والا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم خدا تعالیٰ کی صفات کے کامل مظہر تھے۔ آپ تمام قسم کے حالات سے گذرے۔ آپ پر غربت کا زمانہ بھی گذرا۔ بادشاہی کا بھی۔ فقیری کا زمانہ بھی آیا۔ اور امیری کا بھی۔ ان تمام حالات میں آپ نے خدا تعالیٰ کو نہ بھلایا اور خدا تعالیٰ کے ذکر کو ہی بلند کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر لیٹنر لائف آف محمد مطبوعہ الہ آباد ۱۸۵۱ء صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں:۔

"جس کے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جس کو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا (اور غرش رعد و آواز آب اور طیور کے نغمہ حمد الٰہی میں خدا ہی کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ اور سُنسان جنگلوں اور پُرانے شہروں کے کھنڈروں میں خدا ہی قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے")

اور نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا نمونہ دکھایا۔ آپ نے مدافعانہ جنگ بھی کی انتقام بھی لیا اور نہایت درجہ کا عفو بھی اپنے عملی نمونہ سے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولمن صبر وغفر ان ذٰلک من عزم الامور کہ بے استقلال اور اولو العزمی کی بات یہ ہے۔ کہ کسی انسان کو تکلیف پر تکالیف اور مصائب پر مصائب کسی کی طرف سے پہنچیں پھر وہ ان پر صبر کرے۔ اور جب اُسے اس پر قدرت حاصل ہو اور انتقام کا موقعہ آوے تو اُسے معاف کر دے آنحضرت صلعم کو اہل مکہ نے اُنکے پیارے وطن سے جس میں کہ انہوں نے اپنے بچپن کا زمانہ گذارا تھا تکلیفوں پر تکلیفیں دیکر بڑی سختیاں کیں۔ اور ظلم کر کے آپ کے نکالنے کا باعث بنے۔ پھر فتح مکہ کے دن جب وہ سب جکڑے ہوئے آپ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں اگر تم اب بھی خدا تعالیٰ سے بخشش کے خواہاں ہوگے تو تمہیں بخش دیگا وہ ارحم الراحمین ہے اور تم کو بھی وہی کچھ انعام واکرام دیگا۔ جو خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں۔ اسلئے میرا نمونہ اختیار کرو۔

جاننا چاہیئے۔ دنیا میں اس بات کا سب سے بڑا ثبوت کہ فلاں شخص سے خدا تعالیٰ راضی ہوگیا ہے۔ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ وکشوف صادقہ ہیں۔ سو جس مذہب میں ایسے لوگ پائے جائیں جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہو۔ وہی مذہب ایسا ہو سکتا ہے جس میں داخل ہونے سے ہم اپنے حقیقی مقصد کے حصول کی امید کر سکتے ہیں۔ سو یہ بات امتیازی طور پر صرف اسلام میں ہی پائی جاتی ہے۔ باقی تمام مذاہب اس بات کا اقرار کر چکے ہیں۔ کہ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ بالکل بند ہے۔ اور خدا تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا مگر اسلام کی تعلیم یہ ہے۔ انّ الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ نحن اولیاءکم فی الحیاۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ولکم فیھا ما تشتھیہ الانفس ولکم فیھا ما تدعون (حم سجدہ ع۴) یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور باطل خداؤں سے الگ ہوگئے۔ پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے اُترتے ہیں۔ تو مت ڈرو اور مت غمگین ہو۔ اور خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ۔ کہ تم اس خوشی کے وارث ہوگئے۔ جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم اس زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ سو یاد رکھو کہ اسلام نے صرف زبانی وعدہ تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ہر زمانہ میں ایسے اشخاص ہوتے رہے۔ جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہوا چنانچہ اُسی سلسلہ میں سے

حضرت حجۃ اللہ علی الارض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ جنہوں نے تمام مذاہب پر روز روشن کی طرح ثابت کر دیا۔ کہ مکالمہ و مخاطبہ کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ اب تک جاری ہے چنانچہ آپ اپنی اس تقریر میں جو آپ نے جلسہ اعظم مذاہب لاہور کے موقعہ پر لکھی تحریر فرماتے ہیں:-

"اور وہ مرتبہ مکالمہ و مخاطبہ کا جس کی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی۔ وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈھنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں اور سچائی قبول کرنیوالوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے۔ اور پانیوالے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جسکے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں۔ جو میں نے سنا ہے وہ سنیں۔ وہ قصوں کو چھوڑیں۔ اور حقیقت کی طرف دوڑیں..... صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مُہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مُہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے...... اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں۔ اور بغیر کانوں کے سن سکیں۔ یا بغیر زبان کے بول سکیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں..... پس اسکے الہام اور مکالمے و مخاطبے کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں ہاں انکو ان کی راہوں سے ڈھونڈو۔ تب وہ آسانی سے تمہیں ملینگے۔ وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا۔ اور اپنے مناسب مقام پر ٹھیرا۔ اب تمہیں کیا کرنا چاہیئے تا تم اس پانی کو پی سکو۔ یہی کرنا چاہیئے۔ کہ افتاں و خیزاں اس چشمہ تک پہنچو۔ پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھدو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ۔ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے۔ کہ جہاں اس روشنی کا پتہ ملے۔ اسی طرف دوڑے۔ اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو۔ اس راہ کو اختیار کرے"

پس اے عزیزو! اور پیارو!! اگر تم اپنے مقصد حقیقی کو پانے کی تڑپ رکھتے ہو۔ اور حقیقی خدا کے چہرہ کو دیکھنا چاہتے ہو۔ تو اسکے سوائے دوسرے معبودوں سے بیزار ہو کر خالص اسی کے ہو جاؤ۔ اور اس محبوب حقیقی کے دیدار اور وصال کی خاطر کہ جس کی رؤیت سے تمام غم غلط ہو جاتے ہیں غفلتوں اور سستیوں کو ترک کر دو اور اپنی تمام طاقتوں اور قوٰی کے ساتھ اس کی فرمانبرداری میں لگ جاؤ اور یقیناً یاد رکھو کہ وہ چیز جسکے

ذریعہ سے تم اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو اسلام ہی ہے۔ پس آؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ کیونکہ

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا ❖ لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اس رخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا ❖ جنت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا

پس اے ہمارے حقیقی معبود اور پیارے خدا ہمیں ان سب راہوں کو دکھا کہ جن پر چل کر ہم تیری رضا کو حاصل کر سکیں۔ آمین یا رب العالمین ❖

عقدۂ تناسخ کا حل

جن لوگوں نے اپنی ناقص عقل سے ہی خدائے برتر اور اس کی صفات کا پتہ لگانا چاہا ہے۔ انہوں نے ضرور ٹھوکر کھائی ہے۔ کیونکہ جو شخص کا تیراک بحر بے کنار میں کود کر غرق ہی ہو گا۔ ان ٹھوکروں میں سے ایک عقیدہ تناسخ بھی ہے۔ جس کو مذہبی پر تو نہیں ہاں علمی طور پر یورپ کے بعض فلاسفر بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے ابنائے وطن۔ سناتنی آریہ وغیرہ تو مذہبًا اسکے قائل ہیں۔ جن میں سے مؤخر الذکر فرقہ تو اس کو میدان بحث میں بھی لاتا ہے۔ اور اسوقت وہی میرے مدِ نظر ہے۔

اثبات تناسخ کی ایک دلیل

جہاں تک میں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے اور جسقدر اسکی تائید میں دلائل دیئے گئے ہیں۔ وہ سب در اصل ایک ہی دلیل کی شاخیں ہیں۔ اور محققین تو صرف اسی کو دلیل گردانتے ہیں جو یہ ہے۔ کہ ہم خدا کو عادل مانتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مخلوق میں بدرجہا تفاوت نظر آتا ہے۔ کوئی بینا ہے کوئی نابینا۔ کوئی مالدار ہے کوئی غریب۔ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار۔ کوئی حاکم ہے کوئی محکوم۔ کوئی توانا و قوی ہیکل ہے کوئی اپاہج۔ کسی کو رفعت نصیب ہے کسی کو ذلت۔ کوئی عیش و عشرت میں زندگی گذارتا ہے کوئی زندان مصائب میں۔ ایک ہے کہ ہزاروں لوگ پیدا ہوتے ہی اسکے خادم بنجاتے ہیں ایک ہے کہ کوئی اس کا پرسان نہیں۔ یہ تفاوت کیوں؟ اور اس اختلاف کا کیا باعث؟ معلوم ہوا۔ کہ در اصل انسانوں نے پہلے کسی جنم میں نیک و بد اعمال کیئے ہونگے جن کا نتیجہ بھگتنے کیلئے وہ اس دار فانی میں آئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان میں اختلاف ہے کیونکہ وہ حسب مراتب اعمال ہی سکھ دکھ اٹھا سکتے ہیں۔

یہ دلیل نہیں ہے۔

اس احتمال کا نام دلیل رکھنا ہی جائز نہیں۔ کیونکہ دلیل یقینی مقدمات وغیرہ سے مرکب ہوتی ہے۔ اسکی تو ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے کوئی ڈاکٹر ۱۲ بجے رات کے کسی بیمار کو دیکھنے کیلئے جا رہا ہو۔ اور دوسرے شخص کو اسکے حالات کا پتہ نہیں وہ کہے کہ یقینًا یہ ڈاکو یا ان کا ہمراز اور چور ہے کیونکہ رات کو جا رہا ہے۔ اور اس بناء پر گولی چلادے۔ اب اگر عدالت میں اسکو پوچھا جائے۔ اور وہ یہی دلیل دے۔ تو کیا کوئی جج اس دلیل کو صحیح تسلیم کر کے اسکو بری کر دیگا۔ اگر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دلیل دلیل نہیں۔ صرف ایک احتمال باطل ہے۔ اسی طرح مندرجہ بالا بیان بھی صرف ایک

وہم ہے۔ اس کو دلیل قرار دینا کسی طرح جائز نہیں۔

اقسام اختلاف غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ انسانوں کے تمام اختلافات تین حصوں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔

(۱) بدنی اختلاف۔ مثلاً اپاہج اور صحیح الاعضاء ہونے کا اختلاف۔ یا مضبوط و کمزور، اور بیمار و تندرست کا اختلاف۔ یا بینا و نابینا وغیرہ کا اختلاف۔ (۲) مالی اختلاف۔ مال کی کمی بیشی کا اختلاف۔ غربت و امارت کا اختلاف۔ عیش و عشرت و تنگی کا اختلاف۔ (۳) اختلاف مراتب۔ حاکم و محکوم کا اختلاف۔ غالب و مغلوب کا اختلاف۔ بادشاہ و رعایا کا اختلاف۔ افسر و ماتحت کا اختلاف وغیرہ وغیرہ۔

کیا اختلاف اوّل اعمال سابقہ کا نتیجہ ہے؟ مَیں نہایت افسوس سے لکھتا ہوں۔ کہ آریہ سماج نے بدنی اختلاف کو تناسخ کے ثبوت میں پیش کرتے وقت اس بات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دنیا میں دو قانون جاری ہیں۔ (۱) قانون شریعت جس کے ماتحت وہ اعمال نیک و بد کی جزا و سزا دیتا ہے۔ (۲) قانون قدرت جس کے ماتحت وہ نیچر کے قواعد اور اسباب کا درست اور غلط استعمال کرنے والوں سے سلوک کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے مہلک زہر کھائی تو وہ مریگا خواہ وہ رشی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح مثلاً اگر پنڈت دیانند جی بھی کواڑ بند کر کے بیٹھیں گے تو ضرور اندھیرا ہو جائیگا۔ یہ نہیں کہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے باوجود کواڑ بند کرنے کے اندھیرا نہ ہو۔ کیونکہ یہ اندھیرا قانون نیچر کے ماتحت ہے اور اس کو کواڑ بند کرنیوالے کی نیکی و بدی سے کوئی واسطہ نہیں۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دو قانون ہیں۔ (۱) قانون شریعت۔ (۲) قانون قدرت۔ تو اب ہم کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا بدنی اختلاف قانون شریعت کا نتیجہ ہیں یا قانون قدرت کے ماتحت۔ ہر ایک عقلمند فوراً کہدیگا۔ کہ بدنی اختلافات یقیناً قانون نیچر کے ماتحت جاری ہیں اور ان کو قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ موجّہ نہ تھی۔ کہ آتشک زدہ کے بچّے بھی اس مرض میں مبتلا ہونے کے قابل ہی پیدا ہوتے۔ اور کمزور والدین کی اولاد نحیف و لاغر ہی ہوتی۔ آخر کبھی تو ایسا بھی ہوتا۔ کہ بالکل کمزور میاں بیوی کا بچہ خوب جوان اور بالکل مضبوط پیدا ہوتا جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا۔ کہ بدنی اختلافات کسی سابقہ عمل یا جنم کا نتیجہ نہیں تا یہ تناسخ کی دلیل بن سکیں۔ ہاں قانون قدرت کا وجود ان اختلافات کا موجد ہے۔

ممکن ہے۔ کہ بعض متعصّب سماجی ہماری مذکورہ بالا رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اور وہ ڈاکٹری اور طب کے مسلّم اصولوں کے ماتحت ان اختلافات کو نیچر کے کارنامے ماننے سے منکر ہوں۔ تو انکی خاطر ہم انکے گرو سوامی دیانند جی کا حوالہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں

"اور حمل ٹھیرنے کے وقت عورت اور مرد کے جسم میں بوقت ہمبستری حیض اور منی کے برابر ہونے کی وجہ سے مخنّث پیدا ہوتا ہے۔" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۷ ایڈیشن پنجم)

دیکھئے! پنڈت صاحب نے کس صفائی سے تسلیم فرمایا ہے۔ کہ مخنث بننے کی وجہ اس کے گذشتہ اعمال ہرگز نہیں۔ بلکہ حیض و منی کا برابر ہوناہی اس کا باعث ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جمیع تغیرات بدنی قانون قدرت کے ہی ماتحت ہیں لہذا وہ تناسخ کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتے۔

کیا اختلاف دوم دلیل تناسخ ہے؟

(۱) اگر یہ کہا جاوے کہ مال کی کمی بیشی سابقہ اعمال کا باعث ہے۔ تو سب سے پہلے پنڈت دیانند جی بانئ آریہ سماج پر ہی الزام آئیگا۔ کیونکہ اور تو اور ہزارہا خاکروب بھی مالدار ہونے میں آپ سے بڑھ کر ہیں۔ کیا آریہ سماج یہ تسلیم کر سکتی ہے۔ کہ سوامی جی نے ان چوہڑوں کی نسبت پچھلی جونوں میں زیادہ بُرے عمل کئے تھے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ مالی اختلافات تناسخ کا نتیجہ ہیں۔

(۲) ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ ہزارہا لاکھ پتی آدمیوں کو بعض دفعہ وہ اطمینان۔ راحت۔ سرور اور خوشحالی نصیب نہیں ہوتی۔ جو ایک مزدور کو ہوتی ہے۔ اگر مال فی الواقعہ اعمال کا نتیجہ تھا۔ تو مالدار کو بہرحال زیادہ مسرور و مطمئن ہونا چاہئیے تھا۔

(۳) لکھوکھا انسان ہیں۔ کہ مال انکے لئے وبال جان ثابت ہوتا ہی محض مال کی وجہ سے انکی جانیں تلف اور آبرو برباد ہو جاتی ہے۔ ان صورتوں کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اموال ان کے نیک کاموں کا پھل ہیں کہانتک درست ہو سکتا ہے؟

(۴) اگر کہو کہ مالدار اپنے مال سے عیش و عشرت و حظ نفس اٹھا سکتا ہے۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ سوامی جی کا ارشاد ہے "ملائم چیزوں کے چھونے اور حظ نفس میں مبتلا ہونے وغیرہ ایسی ایسی ناپاک باتوں کو پاک سمجھنا.... جہالت کا دوسرا جزو ہے" (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا صلا) پس معلوم ہوا۔ کہ مطلقاً مال کی کمی بیشی اعمال سابقہ کا نتیجہ ہرگز نہیں!

اختلاف مالی کا وجود عقلاً ضروری ہے

قطع نظر اسکے کہ مذہب نے اختلافات مالی کی کیا حکمت بتائی ہے۔ اگر عقلاً بھی غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا کہ اسکے بغیر نظام عالم فوراً درہم برہم ہو جاتا ہے مثلاً فرض کرو۔ کہ دنیا میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک یکساں مالدار بن گئے۔ اب اگر ایک شخص خاکروب کو بلائے اور وہ کہے کہ میاں مجھے کیا دوگے؟ یہ کہے روپے۔ وہ فوراً کہدیگا کہ روپے تو ہمارے ہاں بھی بہت ہیں۔ اسی طرح اگر وہ کسی کو روپے دیکر نوکر رکھنا چاہے۔ تو وہ جواب دیگا کہ روپے تو میرے پاس بھی بہت ہیں۔ وھلم جرا۔

الغرض یہ مساوات بنی نوع انسان کے لئے بالکل تباہ کن ثابت ہوگی۔ اور اس سے سارا انتظام فوراً بگڑ جائیگا۔ اور پھر اگر بالفرض ہو بھی جاوے تب بھی اسی وقت تک ہو سکتی ہے۔ جبتک کہ لوگ معاونت اور مساعدت چھوڑ کر بالکل خالی گھر میں بیٹھے رہیں۔ کیونکہ تمدن میں منسلک ہوتے ہی کمی بیشی ہو جائیگی۔ اور انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ پس مالی اختلاف کا وجود سب انسانوں کیلئے نہ صرف مفید بلکہ ضروری اور لابدی امر ہے۔ اور اس کے بغیر تمدن ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔

کیا اختلاف سوم دلیل تناسخ ہے؟

جس طرح سے اختلاف ثانی کا وجود قیام تمدن کا زبردست ذریعہ ہے۔

اسی طرح تیسری قسم کا اختلاف بھی نظام عالم کو باقی رکھنے کے لئے نہایت ضروری امر ہے۔ ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ طبقہ تک ادر گھر سے لیکر حکومتوں تک غور کر جاؤ۔ تمہیں یہی معلوم ہوگا۔ کہ اگر ان تمام صورتوں میں کسی کو حاکم اور افسر نہ قرار دیا جائے۔ کوئی بھی کام چل نہیں سکتا۔ پس اس اختلاف کو بھی تناسخ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر ایسے اختلاف سے سابقہ اعمال ثابت ہو سکتے ہیں۔ تو کیا آریہ سماج بتا سکتی ہے۔ کہ ایشور نے گذشتہ جون میں کون کون سے اچھے عمل کیئے تھے۔ جن کے باعث وہ روح و مادہ پر حکمران ہوگیا۔ اور روح و مادہ نے کونسے بُرے کام کیئے تھے جن کا نتیجہ بھگتنے کے لئے وہ محکوم بنائے گئے۔ اگر ایسا نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ اختلاف بھی تناسخ کی دلیل نہیں۔

اگر کہو۔ کہ روح کو ایشور کی ماتحتی میں سُکھ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اس جگہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تو یاد رہے۔ کہ بہت سے خادم ہیں کہ جن کو ماتحتی میں بہت سے آقاؤں سے آرام ملتا ہے۔ تو کیا وہ بھی مستثنےٰ ہونگے۔ نیز خود سوامی صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ ماتحتی ایک دکھ ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

”اور دوسرے کی تابعداری کو دُکھ کہتے ہیں“ (رگوید بھاش بھومکا صفحہ ۱۱۹ اردو)

پس جو حال اور نتیجہ انسانوں کے اس اختلاف کا قرار دوگے وہی وہاں بھی ماننا پڑیگا۔

اختلاف بدنی کی وجہ چونکہ آریہ سماجی دوست تناسخ کے باطل ثابت ہونیکی صورت میں دریافت کیا کرتے ہیں۔ کہ اچھا پھر بتاؤ۔ کہ ان اختلافات کا کیا باعث ہے۔ لہٰذا میں علی الترتیب اختلاف کی وجوہات اور ان کے فوائد درج کرتا ہوں۔ اختلاف بدنی کے بڑے بڑے دو فوائد ہیں۔

اوّل۔ وجود باری کا اثبات۔ کیونکہ کوئی ہستی بھی اپنی ذات کیلئے نقص اور کمی کو پسند نہیں کر سکتی۔ اب عقلمند انسان لوگوں میں تفاوت دیکھ کر یقیناً سمجھیگا۔ کہ اس اختلاف کے موجد اور باعث یہ خود تو ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ اگر انکے اپنے اختیار میں ہوتا۔ تو یہ نہایت قوی۔ خوبصورت بدن اختیار کرتے۔ اور پھر ان میں اختلاف بھی نہ ہوتا۔ اختلاف کا ہونا بتاتا ہے۔ کہ انکی مرضی کا اس میں دخل نہیں۔ بلکہ وہ کسی اور ہی ہستی کے منشاء اور ارادہ کے ماتحت وجود پذیر ہوا ہے اور وہی خدا ہے۔ اسی فائدہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

ومن اٰیاتہ خلق السمٰوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لاٰیات للعٰلمین (سورہ الروم ع۳)

ہستی باری تعالیٰ کے دلائل میں سے ایک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے۔ اس میں عالموں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔

دوم۔ شکر کا جذبہ پیدا ہونا۔ اگر سب انسان یکساں ہوتے۔ تو کسی کو شکر کی طرف توجہ بھی نہ ہوتی۔ اور

نہ ہی ان کو اپنے تنزل کا نقشہ یاد ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کمزور۔ بیمار۔ اپاہج وغیرہ بنا کر انسان کو شکر گذاری اور انابت الی اللہ کا موقعہ دیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی آتا ہے۔ کہ لنگڑے لولے کو دیکھ کر تم خدا کا شکر کیا کرو۔ کہ تم کو وہ تکلیف نہیں ہوئی اور پڑھا کرو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهٖ سب تعریف اس اللہ کو ہی حاصل ہے جس نے مجھے اس بلاء سے بچایا اور مجھے بہت بندوں سے اچھا بنایا۔ اسی فائدہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ (انعام ع ۲) کہ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف میں یہ حکمت رکھی ہے۔ تاکہ ظاہر ہو جاوے کہ تم اسکی نعمتوں پر شکر کرتے ہو۔ یا نہیں۔

اس جگہ اگر یہ سوال ہو۔ کہ اس صورت میں ان بیمار۔ اپاہج وغیرہ کو کیا فائدہ ہوا۔ تو یاد ہے۔ کہ انکے صبر پر ان کو بھی بے شمار اجر ملیگا۔ اور ان سے اتنا ہی حساب لیا جائیگا۔ جتنا ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور اسی پر انکو کامل جزاء ملے گی۔ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ حتیٰ کہ ان کو دنیا میں بھی اہم دینی کاموں سے ان کی مجبوری کی وجہ سے معذور قرار دیا ہے۔ (توبہ ع) اور ایسی صورتوں میں وہ اجر سے محروم نہیں رہ سکتے۔ بشرطیکہ ان کے دل میں اس نیک کام کے کرنے کی تڑپ ہو۔ پس ان کی یہ تکالیف انکو دین میں بلحاظ جزاء کے پیچھے نہیں کر دینگی۔

اختلاف مالی کے وجوہات اوّل۔ قیام نظام۔ جیسا کہ اوپر بھی لکھا جا چکا ہے۔ کہ تمام لوگوں کے پاس مساوی مال ہونیکی صورت میں نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا۔ اور کوئی کسی کی بات نہیں مانیگا۔

دوم بدی سے روکنا۔ اگر سب لوگوں کو زیادہ مال دیا جاوے۔ تو کم از کم پچاس فیصدی ایسے لوگ ہونگے۔ جو اپنے آپکو مستغنی خیال کر کے خدا کو ہی بھول جاوینگے اور بدی اور بدکاری اپنا پیشہ بنا لینگے۔ اور لوگوں کو بھی دکھ دینگے اور اپنی روحانیت کو بھی خراب کرینگے۔

سوم۔ خواہش ترقی۔ اگر سب لوگوں کے پاس یکساں دولت ہوتی۔ تو کسی کو کیا ضرورت تھی۔ کہ محنت و مشقت برداشت کرے۔ چونکہ اس سے اوپر اس کو کوئی نظر نہ آتا۔ لہٰذا اس میں ترقی کی خواہش ہی پیدا نہ ہوتی۔ اور ترقی کی خواہش کا ہونا در اصل انسانیت اور اہلیت کا مرتبہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اختلاف مالی رکھ کر جہاں محنت کی رغبت پیدا کی ہے۔ وہاں ترقی کی خواہش کو بھی خوب ابھارا ہے۔

ان تین فائدوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ (۱-۲) وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (۳) (شوریٰ ع ۳) اگر اللہ تعالیٰ بندوں میں مال و منال کو بکثرت پھیلاتا تو وہ بے لگام و باغی اور بدکار ہو جاتے۔ لیکن وہ کوشش کے مطابق ہی اتارتا ہے۔ اور یہی وہ چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ بندوں کو جاننے اور دیکھنے والا ہے۔

چہارم۔ مالدار لوگ غرباء پر احسان کر کے نیکی اور قرب الٰہی حاصل کر سکیں۔

پنجم۔ غرباء خدا تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہ کر عاشقانہ رنگ کا اظہار کریں اور دنیا پر ثابت کر دیں۔ کہ فی الواقعہ وہ خدا کی قضا پر راضی ہیں۔ اور اسکے احکام کے تابعدار گویا اس طرح مالدار و غریب دونو کی آزمائش ہو گئی۔ اور دونو کو خدا کی رضاجوئی کا موقعہ بھی مل گیا۔ اختلاف مالی کے دو اہم فوائد کی طرف اس آیت قرآنی میں ارشاد فرمایا ہے۔ انّا جعلنا ما علی الارض زینۃً لھا لنبلوھم ایّھم احسن عملا (کہف ع۱) ہم نے دنیوی مال و متاع کو اسی لئے زینت دی ہے تا اس سے معلوم ہو جاوے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے اور کون بُرے۔ اور وہ اس طرح انعام کے وارث ہوں۔

اختلاف مراتب کے فوائد اختلاف مراتب کے دو بڑے فائدے ہیں:۔

اوّل۔ قیام تمدن و معاشرت۔ جبتک ایک کو اعلیٰ اور حاکم تسلیم نہ کیا جائے۔ دنیا کا کوئی کام بھی نہیں چل سکتا۔ حتیٰ کہ ایک گھر کا بھی انتظام ٹھیک نہیں رہ سکتا۔ چہ جائیکہ قوموں اور ملکوں کا بغیر سیاست کے گذارہ ہو سکے۔ پس ضروری ہے کہ اختلاف مراتب ہو۔ اور قوم کے بعض افراد کی فوقیت اور برتری تسلیم کیجائے۔ اور انکے ماتحت کاروبار کیئے جائیں۔

اس فائدہ کو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا ورحمت ربک خیر مما یجمعون (زخرف ع۳) ہم نے ہی ان میں اسباب زندگی تقسیم کیئے ہیں۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت مراتب دی ہے تا کہ وہ ان سے کام لیں اور باہمی تعاون سے یہ سب کاروبار چلتا چلا جائے (گویا اختلاف مراتب تعاون کے لئے ہے)۔ اور تیرے رب کی رحمت ان کے مال و اسباب سے کہیں بہتر ہے۔

دوم۔ اظہار قدرت۔ جب حاکم قومیں ظلم پر کمربستہ ہو جاویں۔ تو ان کو اس سے باز رکھنے اور اپنے کمزور بندوں کی مدد و نصرت اور ان کو یہ بتانے کیلئے کہ تم پر بھی حکمران ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہو۔ خدا تعالیٰ ظالم حاکموں کو سزا دیتا ہے۔ اور اسی طرح سے اپنے کمزور اور مظلوم بندوں کی دستگیری کر کے اپنی قدرت کا ثبوت دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے چھڑا کر اپنی قدرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ قدرت کا اظہار وہیں ہوتا ہے۔ جب کوئی مقابلہ پر بھی طاقتور ہو۔ اور جسکی مدد کیجاوے وہ ضعیف و ناتوان ہو۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی یہی حالت تھی۔ جیسا کہ فرمایا واذ نجّینٰکم من اٰل فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم وفی ذالکم بلاءٌ من ربکم عظیم (بقرہ ع۶) اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو۔ جب تم کو ہم نے فرعونیوں سے نجات دی تھی۔ وہ تم کو سخت عذاب دیتے تھے۔ تمہاری بیٹوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔

اس فائدہ کی طرف انعام ع۲۰ میں بھی اشارہ فرمایا ہے وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اٰتاکم ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو زمین کا حاکم بنایا ہے۔ اور بلند شان دی ہے۔ جس کی غرض یہ ہے۔ کہ تا وہ دیکھے۔ کہ تم کہیں اس کے

بندوں پر ظلم تو نہیں کرتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو خدا جلد عذاب دینے والا ہے۔

فیصلہ کن بات اختلاف کا باعث تناسخ نہیں بلکہ اسکی اور ہی وجوہات ہیں جن میں سے بعض اوپر ذکر ہوئیں اب میں آریہ سماج کے سامنے بالکل آسان راہ پیش کرتا ہوں جس سے اس جھگڑے کا فوراً فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تمام فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ انسان کی غرض پیدائش اللہ تعالیٰ کا وصال اور اس کا قرب ہے اور انسان کی حقیقی خوشی اور اصلی راحت خدا میں ہے۔ جیسا کہ سوامی دیانند صاحب بھی فرماتے ہیں :-

"جسقدر جسمانی و روحانی بیماریاں یا دیگر خلل ہیں۔ وہ سب ایشور کا دھیان کرنے سے جاتی رہتی ہیں"

(رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو صـ۱۰۶)

پھر فرماتے ہیں۔ "جب انسان اپاسنا (عبادت) کے ذریعہ سے پرمیشور کو پاکر تمام عیبوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ تب ہی وہ موکش کو نصیب ہوتا ہے" (ایضاً صـ۱۲) ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

"اور پرمیشور کے ملنے سے جو آنند ہوتا ہے وہ غیر معمولی سورگ کہلاتا ہے" (ستیارتھ پرکاش صـ۲۷۳ ایڈیشن پنجم)

جبکہ یہ مسلم ہے۔ کہ خدا کا قرب و وصال ہی غیر معمولی سورگ ہے۔ اور وہی حقیقی آرام۔ تو اب آپ ہی غور فرماویں کہ یہ کمزوری بدن۔ خرابی رنگت۔ کمی مال۔ وغیرہ کو سزا کیونکر کہا جا سکتا ہے جبکہ اکثر اور عموماً اس حقیقی راحت کا موجب ہوتی ہیں کیا یہ سچ نہیں۔ کہ بیمار کو جتنی خدا کی طرف توجہ ہوگی۔ اتنی تندرست کو کم ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح مفلس کو خدا سے جو لگاؤ ہو جاتا ہے امیر کو وہ کب مل سکتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ پھر کیا یہ سچ نہیں کہ نفس الامری بات یہی ہے۔ کہ مالدار خدا کی بادشاہت میں کم ہی داخل ہوتے ہیں ان کو تو اپنے مال و اسباب پر بھروسہ ہو جاتا ہے۔ تو اب کیا ہم باور کر سکتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کسی کو ایسا انعام دے۔ جو اس کو اسکے قرب سے ہی محروم کر دے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اسی طرح وہ سزا کیوں کر دکھ کہلا سکتی ہے۔ جس سے خدا ملے۔ جو کہ اصل مقصود ہے پس یقیناً جانو۔ کہ یہ مال و اسباب وغیرہ کسی عمل گذشتہ کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا فضل ہے۔ جس کو اس کی حکمت چاہتی ہے دیدیتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک انسان غریب اور نادار بھی ہو اور خدا کا مقرب بھی۔ بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ اختلاف تناسخ کا باعث نہیں بلکہ اسکو تناسخ کی دلیل سمجھنا خود ایک خطرناک غلطی ہے۔ والسلام

اولاد پر والدین کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر

قوت مؤثرہ اور قوت متاثرہ

علم النفس کی رو سے ہر انسان کے اندر دو مختلف طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قوت مؤثرہ اور دوسری قوت متاثرہ ہے۔ پہلی طاقت دوسروں پر اثر ڈالتی ہے۔ اور دوسری قوت اثر قبول کرتی ہے۔ یہ دونو قوتیں کم و بیش ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے رکھدی ہیں۔ بچوں اور عورتوں میں قوت مؤثرہ نسبتاً کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو آسانی سے ہپناٹائیز و مسمریزم کا اثر کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں اثر قبول کرنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کسی مزید مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔ کہ ماں باپ کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ کیونکہ یوجینکس کے ماہرین نے اس پر کافی روشنی ڈال دی ہے۔ ماں باپ کے خیالات۔ تفکرات۔ اور ذہانت کا اثر اولاد پر ضرور پڑتا ہے عقلمند والدین کے بچے بھی عموماً ہوشیار اور سمجھدار ہوتے ہیں اور بیوقوف ماں باپ کے بچے بیوقوف پیدا ہوتے ہیں۔ بیمار اور کمزور والدین کے بچے بھی ضعیف۔ اور دائم المریض رہتے ہیں۔ اسی طرح والدین کی اخلاقی اور دماغی حالت کا اثر بھی بچے قبول کرتے ہیں ... ... پ اگر چور۔ ڈاکو یا شرابی ہوگا تو اسکے بچے بھی مقابلتاً ان بدعادات کو جلد قبول کرینگے۔ اسی طرح روحانی حالت بھی اپنا اثر ڈالتی ہے۔

انسان کی طبعی زبان کوئی نہیں

بچوں کا زبان سیکھنا بھی والدین کے اثر کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بچے وہی زبان سیکھتے ہیں۔ جو ان کے ماں باپ بولتے ہیں۔ انسان کی طبعی زبان کوئی نہیں۔ یہ صرف خارجی اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے کہتے ہیں کہ اس امر کے معلوم کرنے کیلئے کہ انسان کی طبعی زبان کیا ہے۔ اکبر بادشاہ نے ایک محل آبادی سے کچھ فاصلے پر بنوایا تا کہ کسی انسان کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ اس محل میں چند شیر خوار بچے رکھوا دیئے گئے۔ اور انکو دودھ پلانے والی عورتیں اور نوکر چاکر سب گونگے مقرر کیئے گئے۔ دو سال کے بعد جب ان بچوں کو باہر لایا گیا تو سب حیوانوں کی طرح بائیں وائیں کرتے۔ اور کچھ کلام نہ کر سکتے تھے۔

عقل کہاں سے آتی ہے

انسانی عقل بھی ارد گرد کے عادات اور والدین کے خیالات اور ان علوم سے پیدا ہوتی ہے۔ جو بچہ پیدائش سے جمع کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ کا یہ خاصہ ہے۔ کہ اس پر سے کوئی اثر اس کی پیدائش کے وقت سے مٹتا نہیں۔ بلکہ نقش قائم رہتا ہے۔

اس بات کے بتا چکنے کے بعد کہ والدین کے احوال اقوال اور افعال کا اثر بچے قبول کرتے ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ اثر کب پڑنا شروع ہوتا ہے اور کس طرح پڑتا ہے۔

والدین کا اثر کب پڑنا شروع ہوتا ہے

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ بچہ والدین کے اثر کو اسوقت قبول کرنا شروع کرتا ہے جب وہ ہوش سنبھالتا ہے۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ بچہ اس سے بہت پہلے والدین کے اثر کو قبول کرنا شروع

کر دیتا ہے۔ اور پیدائش کے وقت سے ہی یہ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ موجودہ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ایام رضاعت میں والدہ کی جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی حالت کا اثر نمایاں طور پر بچے پر پڑتا ہے۔ اور نہ صرف ایام رضاعت بلکہ اس سے بہت پہلے یعنی ایام حمل اور جماع کے وقت کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر بھی بچہ قبول کرتا ہے۔ بعض محقق تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شادی سے چند سال پہلے کی حالت کا بھی اثر بچہ پر پڑ سکتا ہے۔ مگر یہ اثر نہایت مخفی ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ پہلی نسل میں نمودار نہیں ہوتا بلکہ کئی پشتوں کے بعد جا کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اولاد پر والدین کا اثر اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ اسکی متعلق خود والدین کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اب میں علیحدہ علیحدہ مختلف ایام کو لیتا ہوں جنمیں بچہ والدین کا اثر قبول کرتا ہے۔

۱- شادی سے پہلے والدین کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر

شادی سے چند سال پہلے کی حالت کا اثر اولاد پر اتنا قوی نہیں ہوتا جتنا کہ اسکے بعد کا۔ سوائے امراض خبیثہ مثلاً آتشک سوزاک وغیرہ کے بہت کم ایسی امراض ہیں جنکا اثر اسی صورت میں نطفہ میں منتقل ہوتا ہے۔ دیگر امراض کا نطفہ پر بہت کم اثر پڑتا ہے اور اگر علاج ہو جائے۔ تو پھر بالکل نہیں ہوتا۔ ہاں مزمن اور موروثی امراض مثلاً تپ دق۔ نقرس وغیرہ کا اثر نطفہ پر ضرور ہوتا ہے۔ مگر اسکے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مثلاً اگر باپ کو تپ دق۔ نقرس یا گنٹھیا وغیرہ کا مرض ہو۔ تو یہ ضروری نہیں۔ کہ بچہ یہ مرض پیدائش سے لیکر پیدا ہو۔

بعض امراض کی طرف میلان ہاں اس بچہ میں ان امراض کا میلان ضرور پیدا ہو جائیگا یعنی ان بچوں کو اگر تنگ و تاریک کمروں اور گندی اور مرطوب ہوا میں رکھا جائے۔ تو یہ بچے بہ نسبت تندرست والدین کے بچوں کے جلد تپ دق کا شکار ہو جائینگے۔ اسی طرح جو بچہ پیدائش سے مرض نقرس کا میلان لیکر پیدا ہوگا۔ وہ گوشت وغیرہ کی معمولی بد پرہیزی سے اس مرض کو اختیار کر لیگا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر ان بچوں کو حفظ صحت کے قوانین پر سختی سے عمل کرایا جائے۔ اور مناسب

اسکو دور کرنیکا طریق پرہیز بھی کرایا جائے۔ تو یہ بچے خدا کے فضل سے ان موروثی امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

عصبی امراض کا میلان یہی حال عصبی امراض مثلاً مرگی ہسٹیریا۔ مالیخولیا جنون وغیرہ کا ہے ایسے مریضوں کے بچے بھی فطرتاً ان امراض کو لیکر نہیں آتے۔ بلکہ ان امراض کی طرف میلان ہوتا ہے مثلاً ان بچوں کو اگر کوئی معمولی غم یا دماغی صدمہ پہنچ جائے (جسکو تندرست آدمی بخوشی برداشت کر سکتا ہو) تو یہ ان امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بچوں کو اگر دماغی محنت اور عصبی صدمات اور تفکرات سے بچایا جا سکے تو یہ امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک جذام (کوڑھ) کے مریض کے بچے پیدائش سے کوڑھی نہیں ہوتے۔ ہاں ان میں بھی اس کا میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر جذامی کے بچوں کو والدین سے جدا رکھا جائے۔ اور وہ اپنی والدہ کا دودھ نہ پئیں۔ تو انکو کوڑھ نہیں ہوتا۔ یہی حالت اخلاقی امراض مثلاً زنا۔ چوری۔ ڈاکہ۔ شراب خوری وغیرہ کی ہے۔ ان کے متعلق بیان کرنے سے پہلے میں بتانا چاہتا

فطرت اور میلان میں فرق ہے ہوں کہ احباب فطرت اور میلان میں فرق سمجھ لیں۔ فطرت وہ مادہ ہے جسے ضمیر کہتے

ہیں۔ یہ ہر شخص میں پاک ہوتی ہے۔ اور کبھی بد نہیں ہوتی۔ ایک چور اور زانی کا بچہ بھی پاک فطرت لیکر دنیا میں آتا ہے۔ مگر اسمیں ایک کمزوری ضرور ہوگی۔ اور وہ یہ کہ اگر اس بچے پر اپنے والدین کے گندے خیالات کا اثر پڑے تو وہ انکو جلد قبول کر لیگا۔

فطرت ہر ایک کی پاک ہوتی ہے

مگر اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ اس میلان طبع کو بیرونی اثرات مثلاً صحبت صالحین مٹا بھی سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ڈاکو۔ قاتل اور زانی کے بچے فطرتاً یہ نقائص لیکر پیدا نہیں ہوتے۔ ہاں انکی طبائع میں اس طرف میلان ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً ایسے بچے اگر چند دنوں کیلئے بھی بری صحبت میں بیٹھیں تو وہ نسبتاً جلدی انکے بد خیالات کے اثرات کو قبول کر لینگے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر ممکن کوشش کے باوجود وہ بچے ضرور ڈاکو۔ قاتل یا زانی بنجائیں ایسے بچے نیکوں کی صحبت وعظ و تلقین دعا اور خدا کے فضل سے راستباز اور شریف انسان بن سکتے ہیں۔ ان بچوں کے مستقبل کے متعلق مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام نے بھی مخصوص تعلقات کے وقت فریقین کی دماغی حالت کے اثر کو سمجھا ہے۔ اور اسکو نیک بنانے کیلئے یہ دعا سکھائی ہے۔ اللّٰھم جنّبنا الشیطٰن وجنّب الشیطان ما رزقتنا یوجینکس کے ماہرین یہاں تک دعوےٰ کرتے ہیں۔ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق اولاد کو شاعر۔ خوشنویس۔ ڈاکٹر اور جرنیل وغیرہ بنا سکتے ہیں۔ مثلاً اگر والدہ کی یہ خواہش ہو۔ کہ میرا بچہ خوشنویس ہو۔ تو وہ ایام حمل میں سارا دن لکھتی رہے۔ اگر جرنیل بنانا ہو۔ تو ایام حمل میں ملٹری آپریشنز (فوجی کاموں) میں حصہ لے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا خیال کسی حد تک درست ہے۔ کیونکہ ایسی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ جنمیں ماں کے خیالات اور افعال کا اثر بچہ پر پڑا ہو۔ گر یہ لوگ استنباط نتائج میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ یہ سب اثرات صرف بچے میں کسی خاص علم یا فن کیطرف میلان پیدا کر دیتے ہیں۔ مگر اس کی فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ماں باپ کے خیالات اور انکی ذہانت اور قابلیتوں کا اثر ایک حد تک اولاد پر ضرور پڑتا ہے۔ مگر بیرونی اثرات۔ اعلیٰ تربیت اور نیک صحبت اسکو مٹا بھی سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا حالتوں کے علاوہ اور کسی قسم کے اثر کے منتقل ہونے کے ہم قائل نہیں کیونکہ جسمانی نقائص کا اثر نطفہ میں منتقل نہیں ہوتا۔ مثلاً شادی سے پہلے اگر کسی کا ہاتھ کٹ جائے۔ یا ٹانگ ٹوٹ جائے یا آنکھ نکلوائی جائے۔ تو یہ ضروری نہیں۔ کہ شادی کے بعد اس کی اولاد میں بھی یہ نقص باقی رہے ہاں موروثی اور خاندانی خصوصیات کسی حد تک منتقل ہوتی ہیں۔

۲۔ بوقت قرار حمل والدین کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر۔

یہ بات مشاہدات سے ثابت ہے۔ کہ بچوں پر والدین کی حالت کا اثر پڑتا ہے۔ جماع کے وقت والدین کی جو جسمانی اور اخلاقی حالت ہوگی وہی حالت نطفہ میں منتقل ہو کر بچہ پر اثر کریگی۔ انسان کے لئے اس فعل کے خاص آداب ہیں۔ جن کی پابندی بقائے نوع صحت والدین اور نسل کیلئے ضروری ہے۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ایک وقت تو اعمیٰ کر اندھے لنگڑے۔ بہرے ناقص القویٰ ضعیف الفطرت بچے بہت کم پیدا ہوتے تھے۔ انسان کی تمام زندگی خطرے

اور امراض سے نسبتاً پاک رہتی تھی اور لوگ طبعی عمر پاکر مرض موت ہی سے راہی ملک عدم ہوتے تھے۔ مگر اب یہ حال ہے کہ شاید بیس فیصدی سے زیادہ بچے کمزور، دائم المریض اور ضعیف القویٰ پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب باتوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا۔ کہ یہ تمام نتیجہ قانون جماع کی خلاف ورزی کا ہے۔

فعل جماع ایسے عجیب و غریب اسرار سے پُر ہے۔ کہ اب تک بڑے بڑے محققین اور حکیموں کی نظریں اس میدان میں سوائے حیرانی اور سرگردانی کے اور کچھ حاصل نہیں کرتیں بے حد عجائبات واقع ہوتے ہیں۔ مگر ان کے اسرار پر حاوی نہیں ہوسکتے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ایک ہی والدین سے بہت سی اولاد ہوتی ہے۔ کبھی لڑکا ہے۔ کبھی لڑکی۔ ایک سفید ہے۔ ایک سیاہ۔ ایک سلیم الفطرت اور

عجائبات قدرت

صحیح القویٰ ہے۔ اور ایک ناقص الفطرت اور ضعیف القویٰ ایک تندرست ہے۔ اور ایک لنگڑا یا اندھا ہے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ایک ماں کے مشابہ ہے۔ اور دوسرا باپ کے۔ ایک دونو کے نقش و نگار لیکر نکلتا ہے۔ اور ایک دونو سے نرالا ہے۔ ایک حسین والدین کے ایک بچہ حسین ہے۔ اور دوسرا بدشکل۔ اور ایک بدصورت والدین سے بعض دفعہ خوبصورت بچہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک عورت کا پہلا خاوند مر جائے۔ اور وہ دوسرا خاوند کرلے۔ تو ایک دو بچوں کی شکل پہلے خاوند سے ملتی ہے۔ یہ کیا راز ہے۔ پہلے خاوند کے نطفہ نے اسکی اشتیمن پر کس طرح سے ایسا دیرپا اثر کیا۔

جماع کیلئے طبی اصول

معلوم ہے۔ کہ جماع کے قریب جس قدر مرد و عورت میں باہم گہری محبت اور الفت ہوگی جسقدر انکی صحت اعلیٰ درجہ پر ہوگی۔ اور جس قدر پورے زور کی خواہش اور رغبت سے جماع کیا جائیگا۔ اسی قدر اولاد حسین جمیل اور صحیح القویٰ پیدا ہوگی۔ اسکے برعکس جسقدر انکی صحت خراب اور دماغی اور اخلاقی حالت ناقص ہوگی۔ اور جس قدر ضعیف خواہش اور کم رغبتی سے جماع کیا جائیگا۔ اسی قدر اولاد بدصورت۔ ناقص القویٰ اور ضعیف الفطرت ہوگی۔

اسکی چند مثالیں

جماع کے وقت والدین کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر ان مثالوں سے ظاہر ہے:۔ (۱) جماع کے وقت اگر معدہ پُر ہو۔ تو بچہ کا معدہ بھی کمزور ہوجاتا ہے کیونکہ جسم کی توجہ اس وقت فعل ہضم کی طرف ہوگی۔ اور خون بھی معمول سے زیادہ اس طرف آرہا ہوگا جس سے خون کی مقدار اعضائے رئیسہ میں نسبتاً کم ہوجائیگی۔ (۲) اگر دماغ تفکرات صدمات اور کاروبار کے غم سے پریشان حالت میں ہے۔ تو بچے کے دماغی قویٰ ہمیشہ کے لئے کمزور ہوجائینگے۔ (۳) اگر فریقین یا ان میں سے کوئی ایک شراب یا کسی اور منشی چیز کے نشے میں اسوقت مخمور ہو۔ تو بچہ کو مرگی۔ جنون اور دیگر عصبی امراض جلد لاحق ہوسکتی ہیں نیز بچہ میں بیحیائی اور بے غیرتی کا مادہ پیدا ہوجائیگا۔ (۴) اگر جماع کے وقت کسی بدخیالی کی وجہ سے اخلاق اور روح کی حالت خراب ہے۔ تو بچہ کی طبیعت بھی پیدائش کے بعد بداخلاقی بے دینی اور برائی کی طرف جلد ہی مائل ہوجائیگی۔ (۵) اگر خدا پرستی پاکیزگی باطنی اور عبودیت کی حالت میں اس نے صحبت کی ہے اور عورت کا بھی یہی حال ہے۔ تو خدا پرست اور نیک نہاد بچہ پیدا ہوگا۔ (۶) اگر مرد ناراضگی اور ناموافقت کی حالت میں بیوی کے پاس آئے۔ تو غالباً اولاد کے ساتھ محبت اور شفقت کم ہوگی۔

پس معلوم ہوا کہ نیک۔ تندرست اور صحیح القویٰ اولاد حاصل کرنیکے لئے ماں باپ کی اپنی جسمانی اور اخلاقی حالت کی درستی نہایت ضروری ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی مخصوص تعلقات میں میانہ روی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کثرت جماع سے بھی بعض نقائص اولاد میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جماع کے وقت کی دماغی حالت کا اثر بچہ پر منتقل ہونیکا ثبوت ایک پرانے تاریخی واقعہ سے بھی ملتا ہے۔ مسیح سے ۱۸ صدیاں پیشتر ایک بزرگ یعقوب نامی گذرا ہے جس کو اس اصول کا موجد کہنا چاہیئے۔ وہ اپنے سسرال کی

ایک تاریخی واقعہ

بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اس نے خواہش کی کہ سب بھیڑیں داغدار بچے دیں۔ چنانچہ ایک دن اس نے درخت کی ٹہنیاں صاف کر کے انپر سفید دھاریاں بنا دیں۔ اور ان کو بھیڑوں کی آنکھوں کے سامنے رکھا چنانچہ انکے سامنے پھر وہ حاملہ ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب بچے داغدار اور دھاری پیدا ہوئے۔ ایک اور واقعہ ایسا ہی عجیب ہے:۔

خوبصورت اولاد حاصل کرنے کا طریق

پرانے روم کے وزیروں میں سے ایک شخص جو کہ پست قد۔ کوزہ پشت اور بدشکل تھا بعد الازدواج اپنے لئے ایک خوبصورت بچہ پیدا ہونیکی آرزو رکھتا تھا۔ اس نے حکیم جالینوس سے جو کہ اسوقت کے حکماء میں مشہور تھا اس بارہ میں چارہ سازی کی۔ اس حکیم نے یہ تدبیر بتائی۔ کہ تین ہیکل نہایت خوبصورت بنائی جائیں اور بستر عروسی کی تین طرفوں پر کھڑی کی جائیں۔ اور بوقت مقارنت زوجہ ان کی طرف نگاہ رکھے۔ اور انکی خوبصورتی سے حظ اٹھائے۔ وزیر مذکور نے حکیم کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور فی الحقیقت اس تدبیر سے اس کے گھر ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ جو باپ کے بالکل مشابہ نہ تھا۔

۳۔ ایام حمل میں والدہ کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر

یہ بات مشاہدات سے ثابت ہے۔ کہ ایام حمل میں دماغی اثرات کے نتیجہ میں جنین کے بعض اعضاء کی نشو و نما بند ہو سکتی ہے۔ اور ان میں نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں کہ جن میں بچہ کے جسم پر ویسے ہی نشان موجود تھے یا کوئی ایسا پیدائشی نقص رہ گیا تھا جس قسم کا ماں کو ایام حمل میں کوئی دماغی صدمہ پہنچا تھا۔ طبیب اور علم النفس کے ماہر دونو کیلئے اس میں نکتہ ہے۔ کہ اس سے انسانی دماغ کی وسعت اور طاقتوں کا پتہ لگتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ دماغی صدمات سے بعض اعضاء کے فعل پر اثر پڑتا ہے مثلاً یہ کہ جگر کا فعل بگڑ کر یرقان ہو جائے۔ یا دل کی حرکت تیز ہو جائے۔ یا ایک لمحہ کیلئے دل ٹھیر جائے۔ مگر ان سب میں ایک اعصابی تعلق ہے۔ ماں اور بچہ کا کوئی اعصابی تعلق نہیں ہوتا۔ صرف خون کا تعلق ہوتا ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے یہ عاجز چند مثالیں ابھی پیش کریگا۔ اب تو بعض حکماء کا بیان تک خیال ہے۔ کہ جس طرح دماغی صدمات سے جنین کے بیرونی اعضاء میں نقص رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ یہی صدمات دماغ کی بناوٹ میں نقص پیدا کر کے بچہ میں جنون پیدا کر دیں۔

جسمانی حالت کا اثر

ایام حمل میں ماں کی جسمانی حالت کا اثر تو سب جانتے ہیں۔ اگر والدہ صحت درست ہوگی تو جنین کی نشو و نما بھی ٹھیک ہوتی رہیگی۔ والدہ اگر بیمار ہو جائے۔ تو بچہ کے بھی اسی مرض کے زہر کو قبول کرنے لگ

ہلاک ہوجانیکا اندیشہ ہوجاتا ہے۔ بہت سے تندید بخاروں میں اسقاط ہوکر ماں کی جان بھی خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ ماں کی دماغی حالت کا اثر بھی بچہ جلد قبول کرلیتا ہے۔ ایام حمل میں ماں اگر اندھیرے میں اچانک ڈر جائے۔ تو بچہ بھی پیدائیش کے بعد اندھیری میں جانے سے ڈریگا۔ اسی طرح دیگر دماغی صدمات مثلاً غم غصہ۔ خوف نفرت وغیرہ کا اثر بچہ پر پڑتا ہے۔

دماغی حالت کا اثر

اخلاقی حالت کا اثر بھی بہت قوی ہے۔ بچوں میں بہت سی اخلاقی امراض اور کمزوریاں صرف ماں کی اخلاقی کمزوریوں۔ اور سُستی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ گندے خیالات اور بُری صحبت کا اثر بھی بچہ رحم مادر میں قبول کرتا رہتا ہے۔

عورتوں کا فرض

یہ سب امور ثابت کرتے ہیں۔ کہ ماں کو ایام حمل میں اپنی جسمانی دماغی اور اخلاقی حالت کی درستی بہت لازمی ہے۔ خاوند کو چاہیئے۔ کہ ایام حمل میں عورت کے آرام و آسائیش کا بہت خیال رکھے۔ اسکی صحت نہایت اعلیٰ ہو۔ غذا اچھی ہو۔ کسی قسم کا غم۔ خوف یا دماغی صدمہ نہ پہنچے۔ اور عورت کسی بدصورت چیز کو نہ دیکھے یا اگر دیکھے تو جلد دل سے خیال نکال دے۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کردینے والے امر کا خیال دل میں نہ لائے۔

حمل پر غذا کا اثر

غذا کے اثر کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ روس کے ایک حکیم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے۔ ایک عورت کی یہ خواہش تھی۔ کہ اس کا بچہ بالکل سفید رنگ کا پیدا ہو۔ اس نے عورت کو یہ مشورہ دیا کہ تم ایسی غذا استعمال کرو۔ جسمیں اجزائے بیضیہ (پروٹین) زیادہ ہوں۔ اور سفید رنگ کی غذا ہو۔ مثلاً دودھ۔ انڈے۔ کھیر بالائی چاول وغیرہ۔ چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا۔ اور اس کا بچہ نہایت خوبصورت سفید رنگ پیدا ہوا۔ غذا کا اخلاق کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور اخلاق حسنہ کے حصول کیلئے حلال اور طیّب غذا کا کھانا ضروری ہے۔ لہٰذا والدہ کو چاہیئے۔ کہ بچہ کے اخلاق کی درستی کے لئے پاکیزہ۔ حلال اور طیّب غذا استعمال کرے۔

(۱) ڈاکٹر تے فیز ایک عورت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک نانبائی کی عورت ایام حمل میں روٹیاں بیچا کرتی تھی۔ ایک لڑکا جس کے ایک ہاتھ کے دو انگوٹھے تھے۔ روٹی لینے کے لئے اس ڈبل انگوٹھے اور انگلی میں نقدی پکڑ کر لایا کرتا تھا۔ تین ماہ کے بعد اس عورت نے دوکان کا کام چھوڑ دیا۔ مگر اس ڈبل انگوٹھے کی بناوٹ ماں کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ اس کا خیال دل سے نکالنا مشکل تھا۔ چنانچہ اسکے جب بچہ پیدا ہوا۔ تو اسکے بھی ایک ڈبل انگوٹھا تھا۔

خیالات کا اثر حمل پر

(۲) ایک عورت کے ہاں سات ماہ کا مُردہ بچہ پیدا ہوا جسکی گردن بالکل نہ تھی۔ لائق ڈاکٹر نے بچہ ماں کو دکھانے سے پہلے پوچھا۔ کہ تم نے حمل کے ایام میں کوئی عجیب بات دیکھی تھی۔ اس نے کہا۔ کہ ہاں میں ایک دفعہ تشریح الابدان کی کتاب دیکھ رہی تھی جس میں ایک لڑکے کی تصویر تھی۔ جسکی گردن نہ تھی۔ اس بات نے میرے دل پر کچھ ایسا اثر کیا۔ کہ میں اس تصویر کو بھول نہ سکی۔ اور یہ ڈر میرے دل میں دوران حمل میں رہا۔ کہ میرے بچے کی بھی ایسی شکل نہ بنجائے۔ مگر ایسا ہی ہوا۔

ڈاکٹر گرین لے نے پانچ ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں بچہ کے جسم پر ویسے ہی نشان تھے۔ جن کا ماں نے ایام حمل میں مشاہدہ کیا۔

نیویارک کے ڈاکٹر ہیمانڈ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ ان واقعات کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ اتفاقی باتیں ہیں مشکل ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی فلسفی ہو۔ اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ان واقعات میں اسباب اور اثرات کا ضرور تعلق ہے۔

اسی طرح پر ڈاکٹر ڈالٹن لکھتے ہیں کہ اب اسمیں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ کہ جنین کے مختلف پیدائشی نقائص اور کمزوریوں کی وجہ صرف ایام حمل کے بعض دماغی صدمات اور تفکرات۔ خیالات ہیں۔ مثلاً نفرت۔ خوف۔ غصہ وغیرہ اور انہوں نے حیوانات پر بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ جس کے ثبوت میں یعقوبؑ کی بھیڑوں والا واقعہ کافی ہے۔

ڈاکٹر لیننگلن نے ثابت کیا ہے۔ کہ ان باتوں کا اثر صرف جنین تک ہی محدود نہیں رہتا۔ بلکہ آگے کی نسلوں میں بھی چلتا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔ کہ ایک شخص کے دو انگوٹھے تھے۔ اور یہ نقص تین پشتوں تک ان میں رہا۔

دماغی صدمات کا اثر بچہ پر

اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مرد کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر نطفہ پر اور عورت کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر جنین پر پڑتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ بعض پیدائشی نقائص پر اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ انکی وجوہات بعض امراض مثلاً آتشک۔ سِل۔ ذیابیطس۔ سرطان وغیرہ ہیں یا مثلاً بعض دفعہ پیدائشی ہاتھ۔ پاؤں۔ ٹانگ اور بازو کٹا ہوا پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ جنین کے غلافوں میں پانی کم ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ جھلیاں آپس میں رگڑ کھا کر ان کے موٹے موٹے دھاگے بنجاتے ہیں۔ جو کہ اعضاء کو گھونٹ کر کاٹ دیتے ہیں۔ مگر بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ کسی دماغی صدمہ کا نتیجہ ہے اور ان کو ہم صرف اتفاقی بات نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ ذیل کی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

(۱) ایک ڈاکٹر کو ایک عورت کے جو سات ماہ کی حاملہ تھی پیٹھ پر کدو دانہ کا پھوڑا چیرنا پڑا۔ درد کو کم کرنیکے لئے اسکو مارفیا کی جلدی پچکاری کی گئی۔ جب بچہ پیدا ہوا۔ تو اسکی پیٹھ پر بھی ایک نیلے رنگ کا نشان تھا اور بازو پر بھی ٹیکہ کا نشان موجود تھا۔

(۲) ایک آئرش عورت جو سخت وہمی اور عصبی مزاج والی تھی۔ ایک دفعہ گلی میں سے گذر رہی تھی۔ کہ اسکو ایک فقیر ملا۔ ان دنوں وہ ایک ماہ کی حاملہ تھی۔ اس فقیر نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بھیک مانگی۔ فقیر کے ہاتھ کا انگوٹھا اور انگلیاں کٹی ہوئی تھیں۔ عورت نے کچھ نہ دیا اور آگے چلی گئی۔ بعد میں اسکو خیال آیا کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ کیونکہ خدا کے نام پر مانگنے والے سے انکار کیا۔ چنانچہ وہ واپس آئی۔ مگر فقیر کو نہ پایا۔ کئی دن لگاتار وہ اس کی تلاش میں پھرتی رہی۔ مگر وہ نہ ملا۔ اپنے اس گناہ کے خیال میں۔ جسکے غم نے اسکی زندگی کو تلخ کر دیا تھا اسکا وضع حمل کا وقت آگیا۔ اور اسکے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جسکے ایک ہاتھ کا انگوٹھا اور انگلیاں بعینہ کٹی ہوئی تھیں۔

وہم کا اثر حمل پر

بعض دفعہ سخت دماغی صدمہ سے بچہ مر بھی جاتا ہے۔ چونکہ ماں اور بچہ کا کوئی اعصابی تعلق نہیں ہوتا۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دماغی صدمات سے ماں کے خون میں کوئی کیمیاوی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے بچہ میں نقص رہ

شاہ دولا کے چوہے

جاتا ہے۔ یہاں پر شاہ دولا صاحب کے چوہوں کی پیدائش اور اسکی اصل وجہ کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ میرے نزدیک یہ ناقص پیدائش کسی کرامت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ صرف ماں کے ایام حمل کے خاص خیالات اور تفکرات کا نتیجہ ہے۔ ماں جب منت مان آتی ہے۔ تو اسکے دل میں یقین ہوتا ہے۔ کہ اب پیر صاحب کی برکت سے اولاد ہوگی۔ مگر اس کا سر ضرور چھوٹا ہوگا۔ کیونکہ اسکے نزدیک لازمی ہے۔ ورنہ بچہ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ایک چھوٹے سر والے بچہ کا تصور ماں کے دل میں ۹ ماہ تک لگا رہتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اسکو ناقص الفطرت اور ضعیف القویٰ بچہ ملتا ہے۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ایسی عورتیں منت ماننے کے بعد اگر چھوٹے سر کے خیال کو دل سے نکال دیں اور اس کی بجائے یہ خیال کریں کہ میرے بچے کا سر بہت بڑا ہوگا۔ اور اس کے اس خیال کی امداد کیلئے اگر ماں کے کمرے میں ایک بڑے سر والے بچے کی تصویر یا کوئی لکڑی کا ہیکل لٹکا دیا جائے۔ تو یقیناً بفضلِ خدا ان کے گھر صحیح وسالم بچے پیدا ہونگے۔ یہ نتیجہ آزمانے کے قابل ہے۔

حمل کے اثر کی چند اور مثالیں

۱۔ جب نپولین ماں کے پیٹ میں تھا۔ تو ایک دفعہ اسکی ماں اپنے خاوند کے ساتھ معرکہ جنگ میں سوار ہوکر گئی۔ اور جنگی کرتبوں میں اس نے دلچسپی ظاہر کی۔ چنانچہ ماں کے دلیرانہ اوصاف بچے کے اندر پورا پورا اثر کر گئے۔ اور وہ ایک بہت بڑا جرنیل ہوا۔

حمل میں چوری کرنا

۲۔ ایک عورت نے ایک دفعہ ایام حمل میں اپنے خاوند کی میز سے کچھ نقدی چرائی۔ جب بچہ پیدا ہوا۔ تو وہ بھی گھر کا چور نکلا۔ کبھی بہن کی سونے کی زنجیر چرالی۔ کبھی ماں کی گھڑی اڑالی۔ غرضیکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے سوا کسی غیر کی چیز کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

اسقاط کی کوشش کا اخلاق پر اثر

۳۔ ایام حمل میں اگر بچہ کو خارج کرنے کی کوشش کیجائے۔ اور ماں ناکام ہو۔ تو بچہ کے اخلاق پر اس کا سخت برا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ گائی ٹیو جس نے پریزیڈنٹ گارفیلڈ کو ۱۸۸۱ء میں قتل کیا تھا۔ اس قسم کے بچہ کی مثال ہے۔ اسکی ماں نے بوجہ تنگی معاش اسقاط کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس کے ہاں بچے جلدی جلدی پیدا ہوتے تھے۔ مگر وہ ناکام رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ بڑا ہوکر قاتل ہوا۔

تصویر کا اثر حمل پر

۴۔ فرانس کے ایک معتبر گھرانے کی ایک بی بی کا ذکر ہے۔ کہ اس نے ایک سیاہ فام لڑکا جنا۔ جو بالکل حبشی غلاموں سے ملتا تھا۔ خاوند کو اپنی بیوی کی طرف سے بدظنی ہوئی۔ ہر دو طرف کی قیل و قال سے سرکار میں رجوع کرنا پڑا۔ سرکار نے اس مقدمہ کی تحقیقات کیلئے چند اطباء مقرر کئے۔ انکی سعی جمیلہ سے اس امر کی حقیقت معلوم ہوئی کہ اس بیچاری بی بی کا اس میں کچھ قصور نہیں۔ اسکی نشست گاہ کے سامنے ایک حبشی کی تصویر تھی۔ جو اکثر آنکھوں کے سامنے رہا کرتی تھی۔ تمام ایام حمل اس تصویر کے تصور میں گذرے اس لئے ثمرہ حمل بھی تصویر سے مشابہ پیدا ہوا۔

خلاف شریعت خیالات کا اثر

۵۔ ایک اسرائیلی عورت نے بچہ پیدا ہونے سے پہلے ایک دفعہ بُھنے ہوئے سؤر کا گوشت کھانا چاہا۔ مگر مذہبی مخالفت کی وجہ سے وہ کھا نہ سکی۔ جب بچہ پیدا ہُوا۔ تو اس نے دودھ پینے سے انکار کیا۔ والد نے پوچھا۔ بچہ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ مَیں نے ایام حمل میں صرف ایک دفعہ اپنے آپکو سؤر کا گوشت کھانے سے روکا تھا۔ باپ سمجھ گیا۔ فوراً ایک گوشت کا ٹکڑا لایا۔ بچہ نے چند منٹ اسکو چوسا اور پھر دودھ پینے لگا۔ باپ کا بیان ہے۔ کہ ہم اپنے اس بچہ کو جس کی عمر اسوقت اکیس (۲۱) برس کی ہے۔ سؤر کا گوشت کھانے سے روک نہ سکے اگرچہ ہمارے مذہب میں حرام تھا۔ (اس مثال سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ عورت ایام حمل میں جو خواہش چاہے پوری کرے۔ خواہ وہ خلاف شریعت ہی فعل کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت اپنے آپکو ایسے خیال سے روکے۔ اور ایسی صحبت سے بچائے۔ جو ان خلاف شریعت افعال کی محرک ہو)

کلام الٰہی کا اثر حمل پر

۶۔ جتنے ہادیان دین اور پارسا لوگ گذرے ہیں۔ ان سب کے متعلق مشہور ہے۔ کہ ان کی والدہ ایام حمل میں اپنا سارا وقت یاد خدا میں بسر کرتی تھیں۔ اور کلام الٰہی انکو پیٹ میں سُناتیں جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اولاد پارسا۔ نیک اور دین کی رہنما ہوئی۔

خاوند کے تصور کا اثر

۷۔ بچوں کی خصلت اور مزاج ایام حمل میں ماں کے معمولی روزانہ حالات سے بھی اکثر بہرہ مند ہوتے ہیں۔ پہلوٹھے بچے کی شکل اپنے باپ سے زیادہ ملتی ہے۔ کیونکہ دُلہن کے دل میں اپنے پیارے خاوند کی صورت گڑی ہوئی ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ حاملہ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جس کی رو سے اسکو چاہیئے کہ تمام گندے اور بُرے مناظر سے اجتناب کرے۔ اور طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دینے والے تمام واقعات اور خیالات کو

حاملہ کو نصیحت

دل سے نکال دے۔ اور تمام ہموم۔ غموم اور تفکرات سے دماغ کو پاک رکھے۔ اور جب کبھی دل میں کوئی غمی کا خیال آئے تو اسکو جلد دل سے نکال دے۔ اسکے علاوہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ عورت اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھے۔ اور ساتھ ہی اپنے اخلاق اور روح کی درستی کی بھی فکر ہو۔ تاکہ بچہ کے جسم۔ دماغ۔ اخلاق اور روح سب پر اچھا اثر پڑے۔

۴۔ ایام رضاعت میں والدہ کی جسمانی اور اخلاقی حالت کا اثر

دودھ کا اثر

ماں کی مختلف جسمانی اور دماغی حالتوں کا اثر خون پر پڑتا ہے۔ اور دودھ چونکہ خون سے بنتا ہے۔ اس لئے خون کی مختلف کیمیاوی تبدیلیوں کا اثر دودھ میں ضرور منتقل ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ بعض دماغی صدمات اور کیفیات اعصاب کے ذریعہ بھی دودھ میں بعض تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ دودھ کا اثر بھی بچہ کی طبیعت میں مختلف امراض اور عادات کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے۔ بلکہ بعض امراض تو اپنی اسی صورت میں دودھ میں منتقل ہو کر بچہ کو لاحق ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آتشک۔ تپ دق وغیرہ۔ یورپ کے محققین نے ابھی تک اخلاقی اور روحانی حالتوں کے اثرات کا مطالعہ نہیں کیا۔ مگر جلدی ہی ان پر یہ حقیقت کُھل جائیگی۔ کہ ایام رضاعت میں ماں کی اخلاقی حالت کا

اثر بھی بچّہ کے آیندہ اخلاق پر پڑتا ہے۔

جسمانی حالت کا اثر جسمانی حالت کے اثر کو سب لوگ جانتے ہیں۔ ماں کی صحت اگر درست ہوگی تو دودھ بھی خالص پیدا ہوگا اور بچّہ کی صحت ٹھیک رہیگی۔ ماں کی صحت کی خرابی سے دودھ بھی فاسد ہو جاتا ہے اور بہت سی امراض دودھ کے ذریعہ بچّہ میں منتقل ہوتے ہیں۔ زہریلے بخاروں میں اگر دودھ پلایا جائے۔ تو بچّہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ بہت سی دوائیں جب ماں کو پلائی جائیں تو دودھ کے ذریعہ بچّہ پر اثر کرتی ہیں۔ بیمار عورت اور خاص کر آتشک اور تپ دق والی عورت کو دودھ نہیں پلانا چاہئیے۔

بعض دماغی امراض بھی بچّہ پر دودھ کے ذریعہ اثر کرتے ہیں۔ مثلاً۔ مرگی۔ جنون۔ مالیخولیا اور ہسٹریا والی عورت اگر کسی بچّہ کو دودھ پلائے۔ تو اس میں بھی ان امراض کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔

دماغی صدمات کا اثر دماغی صدمات کا دودھ پر نمایاں اثر ہوتا ہے۔ ماں اگر سخت غم اور غصّہ کی حالت میں دودھ پلائے تو بچّہ کو بدہضمی اور اسہال وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ سخت دماغی صدمہ سے دودھ بالکل زہر ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت میں اگر بچّہ کو پلایا جائے۔ تو وہ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عورتوں کو سخت۔ غم۔ فکر۔ غصّہ خوف اور غضب کی حالت میں دودھ پلانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اخلاقی امراض اور کمزوریوں کا بھی دودھ پر اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا بچّہ کے اخلاق کی درستی کیلئے والدہ کو اپنے اخلاق اور روح کی درستی اور اصلاح ضروری ہے۔

خداپرست اور نیک مائیں اپنی اولاد کو گود میں کلام الٰہی سناتی ہیں۔ اور اس طرح اپنے بچّوں کی اخلاقی اصلاح کا پیش خیمہ تیار کرتی ہیں۔

غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے انسان کی خوراک کا اسکے اخلاق پر نہایت ہی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور اخلاق حسنہ کے حصول کیلئے حلال اور طیب غذا کا استعمال ضروری ہے۔ دودھ بھی چونکہ غذا سے بنتا ہے۔ اسلئے بچّہ کے اور اپنے اخلاق کی درستی کے لئے والدہ کو حلال اور پاکیزہ غذا کا استعمال کرنا چاہیئے۔

یہ سب امور ثابت کرتے ہیں۔ کہ ایّام رضاعت میں بھی بچّہ کے جسم اور اخلاق کی حفاظت کیلئے والدہ کی جسمانی و دماغی اور اخلاقی حالت کی درستی لازمی ہے۔

۵۔ ایّام طفولیّت میں والدین کا اثر

ایّام حمل اور ایّام رضاعت کے اثرات جن کا میں ذکر کر آیا ہوں۔ اتنے قوی اور دیرپا نہیں ہوتے جتنے ایّام طفولیّت کے۔

تربیت کا اثر سب پر غالب ہے کیونکہ انکے خفیف اثر کو بیرونی اثرات مٹا سکتے ہیں۔ مگر بچپن کا قبول کیا ہوا اثر بہت مضبوط اور گہرا ہوتا ہے۔ اور اس کا مٹانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ بچپن سے بچّہ کے دل میں نیک باتوں کا اثر ڈالا جائے اور اپنے عمل سے بھی انکو نیکی کی طرف مائل کیا جائے۔ اور شریعت کے احکام کی عظمت ان کے دل میں بٹھائی جائے۔ ظاہری عبادت نماز روزہ وغیرہ کا اور فوائد کے علاوہ ایک یہ فائدہ بھی ہے

نمونہ کا اثر

کہ بچوں کو نمونہ دکھا کر اپنے خالق کی عزت اور جلال کو انکے سامنے ظاہر کیا جائے۔ بچوں میں نقل کرنے کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ بچے وہی کرتے ہیں جو اپنے ماں باپ کو کرتے دیکھتے ہیں۔ اور وہی آواز نکالنے لگ جاتے ہیں جو انکے

بچوں میں نقل کا مادہ

والدین بولتے ہیں۔ اسلئے والدین کو چاہیئے۔ کہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہ کریں۔ جس سے ان کے اخلاق پر بُرا اثر پڑے۔ یا وہ بعض جائز باتوں کو پیش از وقت کرنا شروع کر دیں۔ اسلام میں تین وقت اذن لے کر

اذن لینے کی حکمت

بچوں کو گھر میں داخل ہونیکی یہی حکمت ہے۔ کہ بچے مخصوص تعلقات پر پیش از وقت اطلاع نہ پائیں لہٰذا والدین کو اس معاملے میں بہت احتیاط لازمی ہے۔

اسی طرح والدین کو زبان سے کوئی فحش بات یا گالی گلوچ نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بچے اسکو بغیر سوچے سمجھے پھر دوہرانا شروع کر دینگے۔ گندی گالیوں کا سننا بھی بچوں کو مخصوص تعلقات اور بدی کی طرف مائل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

بچپن سے نیک باتیں سکھاؤ

اسلام نے نیک اخلاق کے حصول کیلئے یہ تجویز کیا ہے۔ کہ بچپن سے بچے کے دل پر نیک باتوں کا اثر ڈالا جائے۔ کیونکہ بچہ کی تربیت کا زمانہ وہ نہیں ہے جب وہ ہوش سنبھالتا ہے۔ بلکہ یہ اس کی پیدائش کے وقت سے ہی شروع

بچہ کے کان میں اذان کہنے کی حکمت

ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسکے کان میں اذان اور اقامت کہنے کا حکم ہے اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ اور محض رسم کے طور پر نہیں۔ اس میں والدین کو توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ وہ پیدائش سے ہی بچہ کے کان میں نیک باتیں ڈالیں۔ اور اس کی تربیت پیدائش کے زمانہ سے شروع کر دیں دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے۔ کہ بچپن کے کان میں پڑے ہوئے الفاظ (گو بچہ انکو سمجھتا نہیں) دماغ کے نچلے حصہ میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور انکا نقش قائم رہتا ہے۔ چنانچہ بچہ بڑے ہو کر پھر یہی بچپن کے الفاظ اور خیالات اسکی اخلاقی اصلاح

عقل باہر سے نہیں آتی

میں مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ عقل باہر سے نہیں آتی۔ بلکہ اسی علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جو بچہ پیدائش سے جمع کر رہا ہوتا ہے۔ پس والدین کا فرض ہے۔ کہ بچوں کو پیدائش سے ہی نیک باتوں کی طرف توجہ دلائیں۔ اور انکو ہر قسم کی بدی سے بچانے کی کوشش کریں۔ اور یہ عذر ہرگز نہ کریں۔ کہ ابھی بچہ ہے۔ نادان ہے بڑا ہو کر سمجھ جائیگا۔ بلکہ بچہ اگر کوئی بدی کرے تو اسی وقت سے اسکو تنبیہ کرنا شروع کر دیں۔ بعض نادان والدین جب ان کا بچہ گالی دیتا ہے۔ تو خوش ہو کر کہتے ہیں۔ کہ شکر ہے بچہ باتیں کرنا سیکھا ہے مگر یہ سخت جہالت ہے۔

ہنسی۔ پیار میں بچہ جھوٹ کس طرح سیکھتا ہے

بعض والدین ہنسی مخول میں بچہ کو جھوٹ اور چوری وغیرہ سکھا دیتے ہیں۔ اور اس بات کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ مثلاً بچہ کے ہاتھ سے کھلونا لے کر پیچھے چھپا لیا۔ اور اس کو کہا۔ کہ چیل لے گئی ہے۔ اور پھر پیچھے سے نکال کر اسکو دیدیا۔ بچہ گو ان باتوں کو اسوقت نہیں سمجھتا مگر یاد رکھو کہ پیدائش کے دن سے کانوں اور آنکھوں کے ذریعہ جو علوم بچہ حاصل کر رہا ہے۔ وہ سب محفوظ رہتے ہیں۔ اور اپنا اثر اور نقش قائم رکھتے ہیں۔ اور انکے اثرات ہوش سنبھالنے پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ عقلمند والدین کو ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے

بچہ میں قوت ارادی بچہ میں پیدا ہونے کے بعد چار ماہ تک قوت ارادی نہیں ہوتی۔ اس کے سب افعال طبعی تقاضا یا خارجی اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ دودھ پینا۔ رونا۔ چلاّنا۔ ہاتھ پاؤں مارنا۔ پیشاب پاخانہ کرنا۔ پہلے سب بغیر ارادے کے ہوتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ کام بالارادہ شروع ہو جاتے ہیں۔ مگر اس میں بھی ماں کی تربیت

ماں کی تربیت کا اثر کا بہت دخل ہے۔ مثلاً بچہ کا پیشاب کرنا پہلے بالکل بغیر ارادہ کے ہوتا ہے۔ پھر جب ماں اسکو پاؤں پر بٹھلا کر منہ سے سُو سُو کی آواز نکالتی ہے۔ تو بچہ آہستہ آہستہ سمجھ جاتا ہے۔ کہ یہ آواز پیشاب وغیرہ سے فارغ ہونے کیلئے ہے۔ اور پھر وہ اس بات کا انتظار کرتا ہے۔ کہ ماں اسکو حاجت سے فارغ ہونیکے لئے پاؤں پر بٹھائے۔ اس مثال سے بچہ پر ماں کی تربیت کا اثر معلوم ہو سکتا ہے۔ بچہ کے دل و دماغ کی حالت اس تختی کی مانند ہوتی ہے جس پر پہلے کچھ لکھا نہیں ہوتا۔ اور ماں جو چاہے اس پر لکھ سکتی ہے۔ ماں کیلئے یہ نسبت اس شخص کے جسکو پہلا لکھا مٹا کر

ماؤں کے لئے نادر موقعہ اور ان کا فرض کچھ اور لکھنا پڑے۔ آسانی ہے۔ اسلئے ماؤں کو اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے کیونکہ بچپن کا پڑا ہوا اثر پتھر کی لکیر کی مانند ہوتا ہے۔ اور بچہ کے سامنے اپنے افعال و احوال اور اقوال سے نیک نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔ قوم کی زندگی انکی آئندہ نسلوں کی مضبوطی اور انکے اخلاق پر ہوتی ہے۔ اس لئے ماؤں کا فرض ہے۔ کہ بچوں کی تربیت احسن طریق پر کریں۔ تاکہ انکی اولاد دین و دنیا میں عزت حاصل کرے۔

دعا اللہ تعالیٰ میرے بھائیوں اور عزیز بہنوں کو ان باتوں کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرماوے آمین۔

شذرات

امریکہ میں سورج گرہن گذشتہ ۲۴ جنوری کو امریکہ میں جو سورج گرہن ہوا اس کی کیفیت نہایت عجیب و غریب تھی دو کروڑ پچاس ہزار آدمیوں نے اسکو دیکھا۔ اسّی شہروں پر جنمیں نیویارک کا شمالی حصہ بھی شامل تھا سورج کی پوری تاریکی کا سایہ پڑا۔ جب سے سفید آدمیوں نے ساحل امریکہ پر قدم رکھا ہے یہ سب سے پہلا پورا سورج گرہن ہے جو کہ شرقی امریکہ میں دیکھا گیا ہے۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ شاید صدیوں تک پھر ایسا گرہن واقع نہ ہو۔ سوا نو بجے صبح چاند سورج اور زمین کے درمیان ایک چمکیلے خوبصورت ہیرے کی طرح دیکھا گیا اور ستارے بھی دیکھے گئے۔ پھر فضا کے اندر روشنی کا عجیب و غریب تغیّر ہونے لگا پہلے سبز رنگ کی روشنی قطاروں کی شکل میں اچھلتی ہوئی نظر آئی۔ ٹمپریچر یک لخت گر گیا۔ اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا کہ شاید طوفان آندھی آنے لگا ہے۔ ہر ایک چیز کا سمان بدل گیا۔ گھوڑے چلتے چلتے بازاروں میں کھڑے ہو گئے گویا کہ آرام کرنے لگے ہیں۔ کتّوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ چڑیا گھروں میں حیوانات سونے لگ گئے گویا کہ رات پڑ گئی ہے پرندوں نے ڈر کر چھپنا شروع کر دیا۔ عاشق و معشوق نے ایک دوسرے کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ خاوندوں نے بیویوں کو بغل میں دبا لیا۔ بعض بچوں نے چلاّنا شروع کر دیا بالغرض

دس بجے تک تمام کاروبار رک گئے۔ اور ایک قسم کا قیامت کا نظارہ قائم ہو گیا۔

سائنس دانوں کے لئے یہ دن بڑا سخت تھا۔ انہوں نے بھی اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانیکی کوشش کی۔ زمین پر مختلف جگہوں پر آلات نجوم کے ساتھ ماہرین نجوم تعینات کر دیئے گئے۔ ہوا میں کئی ایک ہوائی جہاز اڑا دیئے گئے۔ اور اس طرح ممکن سے ممکن معلومات بہم کیئے۔ ان کو معلوم ہوا کہ وہ سبز روشنی کی تڑپنے والی لہریں جو کہ گرہن کے ابتدا میں ظاہر ہوئی تھیں امکام کرۂ اس فضا میں ہے جو کہ کرۂ ارض کے اردگرد ہے اور اس روشنی کا تعلق سورج یا چاند سے ہرگز کوئی نہیں۔ کرۂ نسیم کے مادوں کے متعلق نئے حالات معلوم کیئے گئے۔ بے تار برقی والوں نے معلوم کیا کہ دوران گرہن میں سگنل کی طاقت اس سے بہت بڑھ گئی جتنی کہ عام طور پر دوسرے وقت پر ہوتی ہے۔ اور ریڈیو کی آواز میں بہت فرق پڑ گیا۔ اس سے انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ سورج کی شعاعیں سگنل کو کمزور کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہیں۔ گرہن کے بہت سے فوٹوگراف لیئے گئے۔ اور ایک ڈاکٹر نے ۱۶۰۰۰ ہزار فٹ کی بلندی سے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر گرہن کی تمام مختلف حالتوں کے فوٹو لئے۔

دوسرے روز اتوار کو واعظین مذاہب نے بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں پورا حصہ لیا۔ اور انہوں نے خدا کے وسیع اور لے خطا علم اور انسانی علم و عقل کے قصور پر خوب تقریریں کیں۔

نوٹ:۔ اس سے قبل پورا سورج گرہن مغربی یورپ میں ۳۰ اگست ۱۹۰۵ء کو ہوا تھا۔

ہڈیوں اور ٹھنگروں سے تاریخ اور یورپین لوگوں کا علمی شوق

رائیل سرجن کالج لنڈن کے میوزی ام (عجائب گھر) کے محافظ سر آرتھر نے مندرجہ ذیل تازہ انکشافات کا اپنے لیکچر میں ذکر کیا اور اس سے ثابت کیا کہ یورپین لوگ ایسکیمو یا منگول اقوام کی نسل سے نہیں ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ (۱) جرمنی کے ایک مقام آبرڈ کیسل کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا پنجر پایا گیا ہے ان کے متعلق تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ برف کے زمانے کے تھے جو کہ بارہ ہزار قبل مسیح زمین پر آباد تھے۔ ان پنجروں کی ساخت بتاتی ہے کہ ایسکیمو یا منگول لوگ یورپ میں کبھی آباد نہیں ہوئے۔ (۲) دوسرا واقعہ فرانس کے ایک مقام کا ذکر کیا جہاں کے کچھ ایسے پنجر پائے گئے ہیں جنکے ناک بتلاتے ہیں کہ وہ لوگ سپین کے علاقہ میں رہنے والے تھے اور یہ بھی برف کے زمانہ کے لوگ تھے۔ (۳) تیسرا واقعہ دریائے رون کی وادی کا بیان کیا جہاں کہ ایک مرد۔ ایک عورت اور دو بچوں کے پنجر پائے گئے ہیں قبروں کے اوپر دو سیدھے پتھر نصب تھے۔ اور یہ پنجر پندرہ ہزار سے بیس ہزار تک پرانے ہیں۔ یہ کتبہ کا رواج بتلاتا ہے کہ گول سر والے لوگ یورپ میں اس سے بہت پہلے آباد تھے جس وقت کے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ (۴) چوتھا واقعہ انہوں نے ایک مقام پریڈموسٹ کا ذکر کیا جہاں کہ ایک ہی قبر میں چالیس کس مرد۔ عورت اور بچے مدفون پائے گئے ہیں۔ اور یہ پنجر بھی پندرہ سے بیس ہزار تک پرانے ہیں ؛

مسیح ناصریؑ کی قبر کشمیر میں

اقوام کشمیر میں زیادہ تر عنصر بنی اسرائیل کا ہے۔ اور بعض قوموں کے تو نام بھی وہی ہیں۔ مثلاً لاوے (لاوی) اور گنائی (غنّاریا قینقا) وغیرہ۔

بعض مؤرخوں نے کشمیر کی بعض قوموں کو ہندی قومیں قرار دیا ہے۔ مثلاً ٹھوکر۔ اور اکھر۔ اور پنڈت (یہ ایک کشمیری مسلمانوں کی قوم ہے) اور رشی۔ وغیرہ۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ اوّل اگر یہ قومیں ہندی تھیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ کشمیر کے ارد گرد تو پنجابی زبانیں بولی جائیں۔ اور درمیان میں ایک چھوٹے سے علاقے میں ایک ایسی زبان بولی جاوے جو پنجابی زبان سے بالکل الگ تھلگ ہو۔ دوئم۔ یہ کہ ارد گرد کی قوموں میں اخلاق و رواج و رسوم ایسے ہوں جو قدیم ہندوؤں سے ملتے جلتے ہوں اور اس علاقے کے اخلاق و عادات اور رسم و رواج بالکل علیحدہ ہوں۔ یہاں تک کہ کشمیر کے ہندو پنڈتوں کے اخلاق و عادات اور بعض رسوم ہندوؤں سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً خانہ داماد رکھنا۔ حالانکہ ہندو اسکو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن یہ رسم کشمیری پنڈتوں میں بُری نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ خوشی سے اسکو کرتے ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انکے نام ہندوؤں والے کیوں ہیں۔ مثلاً ٹھوکر (ٹھاکر) اور رشی اور پنڈت وغیرہ۔ جو یا گو غور ہے کہ محقق مؤرخ کو اس بات کے سمجھنے کے لئے کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل جب یہاں کشمیر میں آئے ہیں تو اس وقت یہاں ہندوؤں کی حکومتیں تھیں۔ اور الناس علٰے دین ملوکہم کے ماتحت بنی اسرائیل اپنے آبائی مذہب کو آہستہ آہستہ چھوڑ کر ہندوؤں میں جذب ہو گئے۔ اور چونکہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو فطرۃً بڑا سمجھتے تھے جیسا کہ قرآن کریم نے بھی انکے قول کو نقل کر کے شہادت دی ہے نحن ابناء اللہ۔ لہٰذا جب وہ ہندوؤں میں جذب ہوئے ہیں تو ہندوؤں کے بھی پیر ہی بنے ہیں یعنی برہمن پنڈت۔ رشی۔ اور یا ہندوؤں کی بڑی بڑی قوموں میں ملے جیسے ٹھاکر اور راٹھور جو ہندو راجپوتوں کی بڑی قوموں میں سے ہیں۔ اور پھر جب حضرت سید بلبل شاہ مبلغ کشمیر آئے اور انہوں نے آکر بدھ شاہ کو جو کشمیر کا بادشاہ تھا مسلمان کیا تو معاً ساری سکان کشمیر بھی ساتھ ہی مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان ہو کر بھی مسلمانوں کے پیر ہی بنے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں پیر زیادہ ہیں۔ اور کشمیر میں تو اس بات پر ایک ضرب المثل بھی ہے کہ ”کشمیر پیروں کا گھر ہے“۔

اقوام کشمیر کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کے لئے اور بھی بہت ثبوت ہیں مگر بخوف طوالت انکو ترک کیا جاتا ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ اقوام کشمیر بنی اسرائیل ہیں تو اب انجیل کے مندرجہ ذیل ارشاد پر بھی ایک نظر کرو:۔

”میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں۔ ضرور ہے کہ میں انہیں بھی لاؤں اور وے میری آواز سنیں گی۔ اور ایک ہی گلّہ اور ایک ہی گڈریا ہوگا“ (انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۶)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ تمام ہی جو قوم بنی اسرائیل رہتی تھی اسکے سوا اور ملکوں میں بھی بنی اسرائیل رہتے ہیں

کیونکہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ "جو اس بھیڑ خانے کی نہیں" یعنی اس ملک شام میں نہیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت مسیحؑ انکے پاس بھی جائینگے جو دوسرے ممالک میں رہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں "میں انہیں بھی لاؤں"۔ پس اس ارشاد کے ماتحت ضرور تھا کہ حضرت مسیحؑ کشمیر میں آئیں اور اقوام کشمیر کو جو بنی اسرائیل ہیں وعظ و نصیحت فرمائیں۔ اگلی اشاعت میں انشاء اللہ حوالجات تاریخیہ پیش کیے جائینگے۔

رجال من ابناء فارس کا اصلی مصداق کون ہے

بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں ایک حدیث ہے جسکے الفاظ بعض روایتوں میں مختلف ہیں۔ اسی حدیث کو صاحب کنز العمال لائے ہیں جو اس طرح ہے۔ لو کان الایمان معلقا عند الثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس (کنز العمال جلد ۶) یہ حدیث ہمارے اور بہائیوں کے درمیان متنازعہ فیہ ہے۔ بہائی اسکو علی محمد باب پر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث میں رجال کا لفظ ہے اور اس سے مراد ایک جماعت ہے کیونکہ رجال ایک آدمی نہیں ہوتا اور مہدی یا مسیح کا فارس میں پیدا ہونا ضروری ہے سو علی محمد باب فارس کے ملک شہر شیراز میں پیدا ہوا اور وہ سید بھی تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مہدی بنی فاطمہ سے ہوگا اور وہ لفظ رجال کا مصداق بھی ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ ایک جماعت تھی اور یہاں من بمعنی فی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات الخ اور اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ۔ پس اس حدیث کا صحیح مصداق سید علی محمد باب ہی ہو سکتا ہے نہ کہ جناب مرزا صاحب قادیانی۔ بہائی کہتے ہیں کہ احمدی تاویل کرتے ہیں اور زبردستی کھینچ تان کر مرزا صاحب پر لگاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث بغیر کسی تاویل کے صحیح طور پر سید علی محمد باب ہی پر چسپاں ہوتی ہے

یہ ہے بہائیوں کا طریق استدلال۔ اب ہمارا جواب سنیئے۔ سو اصولی طور پر پہلا جواب تو ہمارا یہ ہے کہ علی محمد باب اس غرض کے لئے آیا ہی نہیں جو حدیثوں میں مہدی کی بیان کی گئی ہے یعنی وہ دین اسلام کی تائید کے لئے آئیگا اور اسلام کو تقویت دیگا اسلام کی گئی ہوئی شوکت کو واپس لائیگا اور یہ ظاہر ہے کہ علی محمد باب نے اسلام کی کسی قسم کی تائید نہیں کی بلکہ الٹی تردید کی اور دعویٰ کیا کہ شریعت اسلام منسوخ ہو گئی۔ پس اس کو وہ اصل ہی رد کر دیتا ہے اور مہدی بننے سے روکتا ہے جس کے لئے مہدی آئیگا۔

دوسرے فارس میں پیدا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت وہ سچا مہدی ہے اس طرح تو ہر شخص جو فارس میں پیدا ہوا ہو کہہ سکتا ہے کہ میں بھی مہدی ہوں پس محض فارس میں پیدا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ فی الواقعی سچا ہے جب تک وہ اس اصل کے ماتحت نہ آئے جو مہدی کیلئے بیان کیا گیا ہے یعنی تائید اسلام۔ پس جب تک مہدی یا مسیح کام کر کے نہ دکھلائے مہدی کہلانے کا مستحق نہیں۔ پھر بعض روایتوں میں رجال کی جگہ قوم کا لفظ ہے اور فارس کی بجائے فرس ہے اور ایک روایت میں رجل من ابناء فارس آیا ہے۔ چونکہ لفظ من اور رجال ...

بہت زور دیا گیا ہے۔ اس لئے اب میں لفظ مِن کو لیتا ہوں سو اسکے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ مغنی جلد ۱ جو علم نحو کی مشہور کتاب ہے اور جس میں حروف کی بحث مکمل کی گئی ہے اقرب الموارد والا بھی اسی کے حوالے دیتا ہے اس میں مِن کی بحث میں لکھا ہے کہ لفظ مِن پندرہ طریق پر استعمال ہوتا ہے سب سے پہلے معنی اسکے ابتداء غایت کے ہیں وھو الغالب علیھا یعنی یہی معنی سب پر غالب ہیں پھر لکھا ہے حتی ادعی قوم ان المعانی الاخر ترجع الی اصل ھذا یعنی ایک قوم نے (نحویوں میں سے) دعویٰ کیا ہے کہ باقی چودہ معنی اسکے ماتحت ہیں۔ آٹھویں معنی مِن کے بمعنی فی بھی ہیں اور اس سے ہم کو انکار نہیں کہ مِن بمعنی فی نہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ کسی لفظ کے دوسرے معنی وہاں لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی متعذر ہوں نہ کہ ہر جگہ اور یہ کلیہ مسلمہ امر ہے اس سے کسی کو انکار نہیں۔ پس چونکہ یہاں مِن کے حقیقی معنی چھوڑنے کے لئے کوئی قرینہ نہیں اور نہ حقیقی معنی لینے میں کوئی مشکل ہے اسلئے ہم یہاں پر مِن کے حقیقی معنی لینگے ہم کو تاویل کرنیکی ضرورت نہیں البتہ بہائیوں کیلئے مشکل ہے اسلئے وہ یہاں پر مِن کے حقیقی معنی چھوڑتے ہیں اور تاویل کرتے ہیں اگر تاویل سے کام نہ لیں تو یہ حدیث سید علی محمد باب پر چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ وہ فارسی الاصل نہ تھا بلکہ بنو ہاشم سے تھا جیسا کہ لفظ سید سے ظاہر ہے ہاں فارس میں پیدا ہوا تھا اس سے انکار نہیں مگر حقیقتاً فارسی الاصل تو نہ تھا ہاں حضرت مرزا صاحب فارسی الاصل تھے اور آپکی ابتداء فارس سے تھی لہٰذا آپ ہی اس حدیث کے صحیح مصداق ہیں کیونکہ حدیث میں ہے مِن ابناء فارس کہ وہ فارسی الاصل ہوگا نہ کہ فارس میں پیدا ہوگا چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنو ہاشم سے نہ ہوگا بلکہ حضرت سلمان فارسی کی نسل سے ہوگا اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی فارس سے آکر مسلمان ہوئے تھے پس حدیث رجل من ابناء فارس مِن کے حقیقی معنوں کی رو سے سید علی محمد باب پر چسپاں نہیں ہوتی۔ بہائی ہم پر طعن کرتے ہیں کہ احمدی تاویل کرتے ہیں حالانکہ یہاں خود انہوں نے تاویل کی ہے نہ کہ ہم نے کسی نے کیا اچھا کہا ہے ع میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

پھر حدیث میں آتا ہے کہ جب آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ اتری تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں آنحضرت صلعم خاموش رہے پھر انہوں نے پوچھا پھر بھی آپنے کوئی جواب نہ دیا پھر تیسری دفعہ انہوں نے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے جسم کے کسی حصہ پر ہاتھ رکھکر فرمایا (مِن ھؤلاء) یعنی ان میں سے وہ ہوں گے دیکھو ترمذی جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۹۔ پس مہدی فارسی الاصل ہونا چاہیئے نہ کہ فارس کا ایک باشندہ

پھر ایک قرینہ جسکی رو سے علی محمد باب اس حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ کتاب فتح الباری جو صحیح بخاری کی شرح ہے اسی حدیث کی شرح میں ایک حدیث ہے کہ یتبعون سنتی ویکثرون الصلوٰۃ علیّ یعنی وہ لوگ جو آخرین منھم کی جماعت سے ہوں گے انکی یہ صفت ہوگی کہ وہ لوگ میری سنت کی پیروی کرینگے اور مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرینگے۔ اس حدیث نے بالکل فیصلہ کر دیا کہ علی محمد باب اور اسکی جماعت اسکی مصداق ہو ہی نہیں سکتے۔

بھلا علی محمد باب کہاں آپ پر درود بھیج سکتا ہے جبکہ وہ خود اپنے آپکو آنحضرت صلعم سے افضل سمجھتا تھا۔ ہاں حضرت مرزا صاحب اسکے صحیح مصداق ہو سکتے ہیں کیونکہ آپنے فرمایا ہے کہ کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ روحانی فیض کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں فرماتے ہیں:۔

یارب صلِّ علےٰ نبیّک دائماً ٭ فی ھٰذہِ الدنیا و بعثٍ ثانی

اب لفظ دجال رہ گیا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں دجّلٌ بھی آیا ہے۔ پس ہم تو ان دونو الفاظ کو مانتے ہیں کہ آسمان سے ایمان لانیوالا ایک شخص ہوگا اور اُسے پھیلانے والے بہت سے ہونگے کیونکہ نبیوں کی جماعت بھی انہیں میں شامل ہوتی ہے اور جماعت کا کام نبی کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے اسلئے دجال کا لفظ بھی ٹھیک ہے کیونکہ نبی کی متبعین اسی کے حکم میں آجاتے ہیں اس لحاظ سے وہ دجال ہے۔ پس دجال کا لفظ ہماری مدّعا کے خلاف نہیں کیونکہ دجل محض اسکے لئے استعمال کیا گیا ہے اور دجال اسکے مددگاروں کیلئے خصوصاً آپکے فرزند مبشّر اور آپکے دین کو قائم اور اس امر کی اشاعت کرنیوالے ہیں۔

اور اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ میں مِن کے معنی بعض حصہ دن کے ہیں یعنی من بعض یوم الجمعۃ کیونکہ جمعہ سارا دن نہیں پڑھا جاتا۔ اسی طرح ماذا خلقوا من الارض میں مِن تبعیضیہ ہے یعنی ماذا خلقوا بعض الارض۔ پس ہم کوئی تاویل نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تین قرینے ایسے ہیں جو علی محمد باب کو مہدی ہونے سے رد کرتے ہیں۔ اوّل (۱) مِن کے حقیقی معنے۔ (۲) دوسرے مہدی کا سلمان فارسی کی اولاد میں سے ہونا اور آنحضرت صلعم کا انکے جسم پر ہاتھ رکھکر فرمانا کہ مہدی اسکی نسل سے ہوگا۔ (۳) تیسرے یکذبون الصلوٰۃ علیّ فرمانا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ "یہ لوگ (سچے مُلہم اور محدث) بھی اس وقت آتے ہیں کہ جب ہر طرف گمراہی کا سخت غلبہ ہوتا ہے۔ اور جو ہنسی ہنسی	وہ دجّال ہے جس نے زمانہ مسیح موعودؑ میں دعویٰ مہدویت کیا

کی جاتی ہے۔ اور باطل کی تعریف ہوتی ہے اور کاذبوں کو امتیاز قرار دیا جاتا ہے۔ اور دجّالوں کو مہدی سمجھا جاتا"

(براہین احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳۔ حاشیہ در حاشیہ)

اس حوالہ کے خط کشیدہ الفاظ میں حضرت اقدسؑ نے اپنی آمد کے ساتھ ہی باب اور بہاء کو دجّال قرار دیا ہے اور دجال کے متعلق آتا ہے یذوب کما یذوب الملح فی الماء ٭

بیماری مراق اور مراقبہ میں فرق

پرچہ اہلحدیث مورخہ ۲۷۔ فروری ۱۹۲۵ء خاکسار کی نظر سے گذرا اُس میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو نعوذ باللہ مراق یا جنون تھا اور پھر اسقدر فخر کیا ہے کہ گویا منشی حبیب اللہ کلرک تمام علوم ڈاکٹری اور یونانی وغیرہ سے واقف ہیں یا آپکے حاضرین مجلس ڈاکٹری وغیرہ علوم طبیہ سے ماہر ہیں۔

حضرت اقدس کا صرف یہ قول نقل کیا کہ مجھے مراق کی بیماری ہے۔ اس سے بات کا بتنگڑ بنایا ہے یا کوّے کا پر ان میں سے کسی کے پیٹ سے نکلا اور اُس کی ڈار بنالی ہے۔

اور ایک اور صاحب محمد حنیف ہیں جنکے مضمون اخبار اہلحدیث ۱۹۱۹ء میں درج ہے۔ علیٰ ہذا ان سے پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ میں لکھا کہ آپکو ہسٹیریا یا مانومینیا ہے اور یہ صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب کے روحانی باپ ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب چونکہ علم طب سے ایسے نابلد ہیں جیسے شعر شاعری سے اس لئے انہوں نے بھی بلا تحقیق اس مضمون کو درج اخبار کر دیا ہے۔

الغرض ان سب اُستاد شاگرد والد مولود کو ایک بیماری ہے جس کے تقاضا سے یہ ایسے خلاف واقعہ امور اخباروں میں درج کرتے ہیں اور جھوٹے نہیں کہ جب پردہ فاش ہوگا تو کس طرح رسوائی ہوگی۔

حدیث شریف میں اس بیماری کا ان الفاظ میں ذکر ہے وانہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما تتجاری الکلب بصاحبہ لا یبقیٰ منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ مشکوٰۃ شریف الفصل کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمت میں ایسی قومیں خروج کرینگی جنمیں خواہشات ردیہ بدعیۃ اس طرح داخل ہونگی جس طرح کلب کی مرض ہڑک والے کے رگ و ریشہ میں سرائیت کرتی ہے (کلب الکلب) (ہیڈرو فوبیا) (ہڑک مشہور عالم بیماری ہے جس کا کسولی میں علاج کرتے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھے مراق کی بیماری ہے اور ان لوگوں نے اُسے جنون قرار دیا ہے اور جنون بھی جنون سبعی جسکو یونانی کتب میں مانیا اور ڈاکٹری میں مانومینیا کہتے ہیں۔ ان گرو چیلوں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ بیماری مراق کس کو کہتے ہیں یونانی کتب میں مالیخولیا مراقی جسکو طب کریمی میں ہائپوکونڈریاسس لکھا ہے یار دوغ اُسی پر چسپاں کر دیا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم۔ خاکسار ان کی مرض کی تشخیص کے لئے ان کے حریف ڈاکٹر عبد الحکیم کا قول نقل کرتا ہے جو ان پر پتھر سے زیادہ کارگر ہوگا وہ کہتا ہے کہ مراق کی بیماری وہ ہے جسکو ڈاکٹری میں کیٹالیپسی کہتے

ہیں اس مرض کو یونانی میں جمود شخوص آخذہ اور قاطوخسی کہتے ہیں اسمیں حس و حرکت اور ہوش جزءً یا کلیتاً جاتی رہتی ہے اور تمام یا بعض عضلات متشنج ہوکر سخت ہو جاتے ہیں بعض اوقات یہ حالت منٹوں اور بعض اوقات گھنٹوں رہ کر بتدریج رفع ہوتی ہے. عین دورہ کی حالت میں اعضاء اکڑ کر ایک وضع پر پڑے رہتے ہیں. نبض اور تنفس نہایت ضعیف ہو جاتے ہیں۔ انتہیٰ معین الحکیم جلد سوم صفحہ ۹۳ سٹاہی صفحہ ۱۷۳ ابھی دیکھ لیں تاکہ وہم کا ازالہ ہو۔ اور تشخیص الامراض میں اسی کو ہسٹیریا کے ذیل میں درج کرتا ہے۔ دیکھئے کہ مراق اور مراقی میں کتنا فرق ہے۔

ع ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور ہامی ڈیکانڈ رای سس کا ذکر صفحہ ۲۲۷ جلد سوم اسے مفید عام میں دیکھ لیں تاکہ تسکین خاطر ہو کر رفع شکوک و شبہات ہو۔

اور اگر یونانی کتب سے فیصلہ چاہیں تو عبارت ذیل پڑھ لیں ۱۔ اما جلد البطن فھو حاوٍ علی الکل ویقال له المراق ایضاً کذا قال صاحب الذخیرہ وقال الشیخ المراق جلد البطن مع الغشاء والعضلات وقیل المراق ھو الصفاق والاصح ما قال النفیس انه غشاء الثالث الذی تحت الجلد فوق العضلات وقیل کل موضع من جلد البطن ما کان رقیقاً۔ یعنی پیٹ کے چمڑہ کو جو سب پر حاوی ہے مراق کہا جاتا ہے صاحب ذخیرہ نے ایسا ہی کہا ہے اور شیخ نے فرمایا کہ پیٹ کا چمڑہ بمع غشاء اور عضلات کے مراق کہلاتا ہے اور بعض نے کہا مراق پردہ صفاق کا نام ہے اور صحیح تر قول صاحب نفیسی کا ہے کہ مراق اس پردہ کا نام ہے جو ترتیب صفاق کے بعد تیسرے نمبر واقع ہے اور بعض نے کہا کہ پیٹ کا چمڑہ جہاں کہیں رقیق ہو اسکو مراق کہتے ہیں انتہیٰ (حدود الامراض)

اس عبارت سے واضح ہے کہ شکم کے اکثر مواضع کا نام مراق ہے اور ان مواضع کی بیماریاں بیسیوں ہیں پھر یہ بزرگ صرف ایک خاص بیماری کو اس کا محمل کس طرح قرار دے سکتے ہیں۔

دراصل یہ لوگ بل کذبوا بما لم یحیطوا به علماً اور یرفع العلم کے مصداق ہیں۔ اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں ان کو شرم بھی نہیں آتی کہ کس صاحب ناموس کو ہم مجنون قرار دیتے ہیں ۔ جس نے فصاحت بلاغت میں ان کا ناطقہ بند کر دیا ہے ذرا قصیدہ اعجازیہ کا ہی جواب لکھا ہوتا۔ اور لکھتے کس طرح جبکہ تائید روح القدس شعر شاعری دینی میں شرط ہے۔

امام ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ ایک صرع روحانی ہوتی ہے اس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں وہ کیا یہ کہ ارواح خبیثہ اکثر لوگوں پر سوار ہیں وہ رشد اور ہدایت کی طرف آنے نہیں دیتے۔ انتہیٰ خاصکر زمانہ معاصر میں کیونکہ یہ دجالی زمانہ شیطان کے سپوت کا ہے اور مقابلہ میں مسیح موعود ہے۔ روح اللہ کے مقابلہ ارواح خبیثہ کا ہونا ضرور ہے۔

منشی حبیب اللہ صاحب افسوس کرتے ہیں کہ کسی صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو ابلیس لکھ دیا ہے

لیکن اگر غور کرتے تو افروختہ نہ ہوتے کیونکہ یہ گنبد کی صدا ہے۔ جیسی کہے ویسی سُنے۔

آپ لوگوں نے لمبے لمبے کالے کالے فتاوٰں میں ضال۔ مضل۔ ملحد و دجال وغیرہ وغیرہ لکھا اُن سب کا (دبھن گھڑ) ابلیس ہے اینٹ اُٹھاتے کو پتھر تیار۔

پس یہ مقام افسوس نہیں بلکہ اپنے نفس کو ملامت کرنیکا مقام ہے ع اے جان من خود کردہ را تدبیر چیست؟

(باقی دارد)

المقتبسات

راز مقطعات شیعہ نقطۂ خیال ایک راز ان مقطعات میں اور بھی پوشیدہ ہے جسے جناب جد علام نے "عماد الاسلام" میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جتنے بھی سورہ قرآن میں اس شان کے ہیں انکے ابتدائی حروف کو اگر ایک مقام پر جمع کیا جائے اور مکرر حرفوں سے قطع نظر کرلیجائے تو چودہ ۱۴ حرف بچتے ہیں جن کا مجموعہ صراط علیٌ حق نمسکہ ہے (الواعظ جنوری) خوب

شیعوں میں انگریزی ترجمہ قرآن قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اور جناب سید امیر علی صاحب ایم اے۔ بی۔ ایل اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ حواشی قرآن مجید جناب مولانا سید محمد رضی صاحب نگی پوری نے لکھے ہیں اور جناب شیخ بادشاہ حسین صاحب بی اے۔ جو فن ترجمہ میں مہارت کامل رکھتے ہیں حواشی کا ترجمہ فرمائینگے۔ اور دیباچہ تحریر فرما رہے ہیں راجہ صاحب زنجیار سے اس ترجمہ کے متعلق ۱۳۰۰۰ روپیہ سے زیادہ آچکا ہے اور امید ہے ۱۵۰۰۰ روپیہ کی رقم صرف زنجیار ہی سے پوری ہوجائیگی۔ (الواعظ لکھنؤ)

چند سطریں کابل کیلئے قرآن نے نہ صرف زبردستی ہی کو روا نہیں رکھا بلکہ دعوۃ اسلام کیلئے بحث و تحمیص کی ضرورت ہو تو اسکو بھی غیر معقول یا رنجیدہ گفتگو سے پاک رکھنے کی تلقین کی ہے ظاہر ہے کہ جو مذہب مذہبی مسائل میں غیر معقول طریق بحث کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ اختلاف عقائد کی بناء پر کسی سخت سزا کو کیونکر روا رکھ سکتا ہے۔ ×××

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ قرآن نے مذہب میں کسی قسم کی زبردستی کو روا نہیں رکھا۔ اور اس بارے میں اسکی تعلیم بالکل الہام اور شک و شبہ سے خالی ہے۔ تو اسکے بعد یہ کہنا کہ شریعت اسلام عقائد مذہبی کے اختلاف پر کسی قسم کی سزا روا رکھتی ہے بڑی جرأت کا کام ہے۔ اسلام کا سرچشمہ ہدایت قرآن ہے جب قرآن خاموش ہے تو اسکے مقابلہ میں اجماع امت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ××

× پیغمبر اسلام کی تعلیم بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی اگر کوئی شخص ایسا ثابت کرنیکی کوشش کرے تو وہ خود رسول خدا کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔ (تنظیم ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء)

حضرت صدیقؓ و فاروقؓ امام جعفر صادق نے فرمایا در بارہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ هما امامان عادلان قاسطان کانا علے الحق (کتاب الابرار ابو الحسن مرزا المعروف با شیخ الرئیس صفحہ ۴۹) وہ دونو پیشوا عادل تھے منصف حق پر ان کی وفات ہوئی۔

وصیت نمبر ۲۱۵۷ میں چوہدری محمد یوسف خاں ولد میر الدین قوم آدان ساکن قادیان ضلع گورداسپور کا ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دیجاوے گی۔ (۳) میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ ایک عدد مکان واقعہ محلہ دار الفضل قادیان میں متصل کوٹھی حضرت میاں شریف احمد صاحب واقعہ ہے۔ ۱۲ ۹/۲۴ گواہ شد چوہدری غلام محمد سیکنڈ ماسٹر۔ العبد چوہدری محمد یوسف خاں قادیانی۔ گواہ شد برکت علیخاں راجپوت محلہ دار الفضل

وصیت نمبر ۲۲۱۵ میں رفیع الدین احمد ولد امام الدین قوم شیخ (قانونگو) ساکن ننگل تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور کا ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں (۱) میری ملکیت سوائے اسکے اور کچھ نہیں جو مجھے بذریعہ ملازمت سرکار بطور تنخواہ ملتی ہے۔ میں اپنی تنخواہ کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں جو ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲) میری وفات پر میری کچھ اور جائداد ہو تو اسکے دسویں حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر ایسی جائداد میں سے کچھ حصہ میں اپنی زندگی میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے حوالہ کر دوں تو ایسی رقم حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دیجاویگی۔ شرط اول کے مطابق عنہ داخل کر دیئے ہیں۔ ۴ر فروری ۱۹۲۵ء

الراقم شیخ رفیع الدین احمد سب انسپکٹر پولیس سندھ سی۔ آئی۔ ڈی کرنل برانچ کراچی
گواہ شد نیاز محمد امیر جماعت احمدیہ کراچی
گواہ شد عبد الکریم احمدی از کراچی

وصیت نمبر ۲۲۵۹ میں شادے خاں ولد امیر بخش ساکن سیکھواں تحصیل و ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اسوقت حسب ذیل ہے۔ ایک مکان واقعہ قادیان محلہ دار الرحمت میں ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار روپیہ نقد کی جائداد یعنی مکانات ۱۴۰۰ سو روپیہ میں اور اراضی مالیتی ۱۸۰ روپیہ میں میرے پاس گرو ہیں۔ اور مبلغ یکصد روپیہ بطور قرضہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ہے اور مبلغ ماعہ ۵ تجارت پر لگا ہوا ہے۔ اس کل جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ میرے مرنے کے بعد صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ علاوہ ازیں اگر میری وفات کے بعد کوئی اور جائداد ثابت ہو۔ تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ ۸ر فروری ۱۹۲۵ء گواہ شد امام الدین کشمیری سیکھواں۔ العبد دستخط شادے خاں ولد امیر بخش۔ بحروف گورمکھی۔ گواہ شد خیر الدین ولد میاں محمد صدیق کاتب وصیت ہذا۔

وصیت نمبر ۲۲۷۴ میں حاجی عبد اللہ خاں ولد گلاب خاں قوم راجپوت ساکن ترسکار تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دیجاویگی۔ (۳) میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ موضع ترسکار و چھینیاں میں میں نے زمین رہن لی ہوئی ہے کچھ زمین بیع ہے۔ جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور مکان خام قیمتی یکصد روپیہ ہے اور ماعہ ۵ روپیہ میں نے قرضہ دینا ہے۔ والسلام بقلم محمد شریف ترسکار ۲۵/۲ ۲۷

گواہ شد نشان انگوٹھا علم دین ولد محمد بخش
العبد حاجی عبد اللہ خاں بقلم خود
گواہ شد نشان انگوٹھا لعل دین ولد اللہ دتا

وصیت نمبر ۲۲۷۵ میں شمس النساء بیگم زوجہ سید عبد المجید صاحب قوم پٹھان ساکن کرشل ہاؤس منصوری تحصیل وضلع ڈیرہ دون بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اسوقت موجودہ جائداد از قسم زیور ومہر مبلغ ایک ہزار روپیہ کی ہے۔ میں اسکے دسویں حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز آئندہ کے لئے بھی یہ وصیت کرتی ہوں۔ کہ اگر میری وفات پر اسکے علاوہ کوئی اور مزید جائداد میری ملکیت میں ثابت ہو تو اسکے بھی دسویں حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا جائداد کی قیمت حصّہ وصیت کردہ سے منہا کردیجائیگی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء
گواہ شد سید عبد المجید احمدی خاوند موصیہ کرشل ہاؤس منصوری۔ نشان انگوٹھا شمس النساء بیگم صاحبہ۔ گواہ شد سید عبد الحی احمدی آف منصوری

وصیت نمبر ۲۲۷۶ میں عبد الحق ولد میاں قادر بخش صاحب قوم مغل ساکن جالندھر شہر بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری کوئی جائداد نہیں۔ مگر میں ۶۰ روپیہ ماہوار کا سلسلہ عالیہ احمدیہ کا کارکن ہوں۔ اس واسطے میں اپنی ماہواری آمدنی کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جیسے جیسے آمدنی میں کمی بیشی ہوتی رہیگی حصّہ موعودہ میں بھی کمی بیشی ہوتی رہیگی۔ میری وفات پر اگر کوئی ایسی جائداد میری ملکیت یا قبضہ میں ثابت ہو جو میری ماہوار آمدنی سے نہ بنی ہو تو ایسی جائداد کے دسویں حصّہ کی بھی مالک وقابض صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط والسلام ۹۔ ۲۔ ۲۵ء خاکسار عبد الحق بی اے مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان۔ گواہ شد۔ خاکسار بدر الدین احمد متعلم میڈیکل کالج لاہور۔ گواہ شد۔ عبد الرحمن مدرس مدرسہ احمدیہ

ایک لاکھ والی تحریک حضرت امام کے اخراجات سفر یورپ اور دیگر ضروریات سلسلہ کیلئے ایک لاکھ روپے کی اپیل فرمائی تھی اور اسکے لئے یہ تجویز مقرر ہوئی کہ ہر ایک بھائی اپنی ایک ماہ کی آمد بیت المال کو دے ۱۸ مارچ تک — ۱۰ — آئے — ۴۹۴۸۱

کے وعدے ہوئے تھے اور — ۹ — ۱۴ — ۲۰۸۶۴

نقد آچکا ہے۔ اس لحاظ سے ابھی بہت ہمت کی ضرورت ہے اور امید ہے کہ مخلص احباب اس خدمت کو بجا لا کر اپنے مولیٰ کے حضور سرخرو ہو سکینگے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خاص دعاؤں سے بہرہ ور ہو کر سعادت دنیا و اخری حاصل کرینگے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عہد ہم ایک رسول اور اسکے دو برگزیدہ خلفاء کے ہاتھ پر کر چکے ہیں اس عہد کا پورا کرنا ایمان کا تقاضا ہے انشاء اللہ ہم میں سے ہر ایک آگے ہی قدم بڑھائیگا۔ کہ من استوا یوماہ فھو مغبون ہمارے بھائی کابل میں اپنی جانیں فدا کر رہے ہیں کیا ہم مالی (جسے ہاتھ کی میل کہا جاتا ہے) بھی راہ مولیٰ میں نہیں دے سکتے وہ بھی تمام نہیں اپنی آمد کا بارھواں حصّہ۔ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے:۔

احمدیت اور اسلام دو روپیہ دعوۃ الامیر اردو دو روپیہ ہم سے منگوائیے۔

یہ رسالہ انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ قادیان دار الامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے